لہ دعوۃ الحق
قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ــ ۴ فون نمبر رہائش ــ ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۷ مدیر محرم الحرام ـ ۱۳۹۲ھ
شمارہ نمبر : ۶ سمیع الحق مارچ ـ ۱۹۷۲ء

اس شمارے میں

ناشر : سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ ــــ مقام اشاعت : دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
طابع : منظور عام پریس پشاور ــــ پرنٹر : محمد شریف ــــ کتابت : اصغر حسن

فی پرچہ
۷۵ پیسہ

مغربی و مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸/ روپے غیر ممالک ـ بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نقشِ آغاز

مملکت عزیزہ پاکستان کی آزادی کو چوبیس برس گذر گئے، ملک کی اصلاح و ترقی کے لئے مختلف تحریکیں اٹھیں، کئی انقلابات آئے، منصوبے بنے، تحقیقاتی کمیشن قائم ہوئے، تجاویز پیش ہوئیں، بلند بانگ دعووں اور منشوروں کا ایک طومار مرتب ہوتا چلا گیا۔ مگر اس ساری کد و کاوش کا نتیجہ "کوہ کندن و کاہ برآوردن" ہی ظاہر ہوا، بحران بڑھتا گیا۔ تباہی نے ہمیں چاروں طرف سے آگھیرا، اور ملک اصلاح و ترقی کی بجائے فساد اور تنزل کی طرف لڑھکنے لگا۔ اب جبکہ نئی حکومت نئے جوش اور ولولہ سے قیادت سنبھال کر ملک کی از سر نو تعمیر کا عزم دہرا رہی ہے تو ہمیں اس سارے لاطائل اور لاحاصل جد و جہد اور کوششوں کو نگاہ میں رکھ کر اصلاح و تعمیر کا کام نئی بنیادوں پر شروع کرنا چاہیئے ورنہ نتیجہ وہی ضیاع وقت اور بربادی ظاہر ہوگا۔ کہ جب تک بیماری اور خرابی کی تشخیص نہ ہو سکے۔ اصلاح اور علاج کی ساری تدابیر ناکام ہوتی ہیں۔ اسوقت نئی تعمیر کیلئے جو بنیادی حیثیت کا مسئلہ ہے وہ ہے ملک کی اصلاحی اور اخلاقی بنیاد پر تعمیر تو جب تک بنیاد درست نہ ہوگی ساری عمارت تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، ہماری معیشت، سیاست، اقتصادیات اور تمام سماجی مسائل اگر حل ہو سکتے ہیں تو اس صورت میں کہ ملک اور معاشرہ کی اخلاقی قدروں اور معاشرتی امور پر بنیادی توجہ دی جائے ورنہ بغیر اس کے ہمارے تمام منصوبے ناکام سے ناکام تر ثابت ہوں گے۔ معاشی اور زرعی اصلاحات صنعتی ترقی اور معیار زندگی میں بلندی کے لئے ہماری تگ و دو کے باوجود ملک میں جس پیمانہ پر رشوت خوری، دولت ستانی، اقربا نوازی، ذخیرہ اندوزی، غبن، بد دیانتی، فرائض میں کوتاہی، مجرمانہ گراں فروشی، خود غرضی اور ہوس رانی بڑھ رہی ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ حکومت کے اعلیٰ سے ادنیٰ تمام محکموں میں ان برائیوں کا دور دورہ سب کو محسوس ہو سکتا ہے۔ اجتماعی حقوق اور جذبۂ حب الوطنی کا احساس اتنا مفقود ہے کہ اپنی حقیر اور فانی لذت یا مادی فوائد اور چند روزہ اقتدار کی خاطر ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو غداری کی بھینٹ چڑھانا معمول کی بات ہوگئی ہے۔ ملک و وطن کی ذمہ داریوں کا احساس صفر ہے۔ ان خرابیوں میں عوام بھی حکام سے پیچھے نہیں ہیں۔ بے حیائی، فحاشی، زنا، چوری، اغوا اور ڈکیتی، سمگلنگ، قومی و ملی امور میں غبن اور خرد برد کا حال ڈھکا چھپا نہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے ہر تحریک چلائی مگر قومی اور وسیع پیمانہ پر کبھی توجہ نہ ہوئی تو اخلاقی و اصلاحی انقلاب کی طرف نہ ہوئی اس کی وجہ یہی ہے کہ جب ارباب اقتدار خرابیوں کے جس دلدل میں خود پھنسے رہیں تو ہوئی و ہوس اور لذت اندوزی کے اس کیچڑ سے وہ قوم کو کب نکالنا چاہیں گے۔ پھر جن لوگوں کے ہاتھوں زمام کار رہتی ہے۔ انہیں یا تو خراب حالات نے اتفاقیہ لیڈر بنایا ہوتا ہے۔ یا پھر ان کی نگہی اٹھان چند روزہ سیاسی دھندوں کے مرہون ہوتی ہے یا پھر ان تعلیمی اداروں کی یہاں سب کچھ ہوتا ہے مگر اخلاق، ضمیر، شعور و ادراک اور نفس کی

تربیت و تہذیب کے لئے کچھ نہیں ہوتا، اور نہ ہمارے رہنما قوم کی دینی اخلاقی اور سماجی تربیت و تعمیر جیسے کٹھن،
خشک و بے مزہ کام کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنی زندگی کی رنگینیاں بدمزہ کرنا چاہتے ہیں۔ رہے افسران کرام تو دفتری
نظم و نسق اور سرخ فیتہ والے نظام کے جزئیات اور کاغذی کارروائیوں کے گردش اور پھر عیش و رفاہیت
میں بدمست حالت انہیں اتنے اہم مسئلہ پر سوچنے کب دیتی ہے قوم میں جب تک اخلاقی
احساس اور اجتماعی شعور بیدار نہ ہو۔ خداشناسی اور خداترسی اور محاسبہ آخرت کا احساس نہ ہو فرائض اور حقوق
کا ادراک نہ ہو رضاکارانہ کام ایثار، خلوص، ادائیگی حقوق و امانات کی تڑپ نہ ہو تو ہمارا ہر معیشی، اقتصادی اور
سیاسی منصوبہ نہ صرف ناکام بلکہ مزید تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ بنتا رہے گا۔ پہلے قوم کی بحیثیت مسلمان اور
دیانتدار شہری کی تربیت کیجئے اس کے لئے وسیع اور ٹھوس دور رس بنیادوں پر تحریک چلائیے۔ ایک اخلاقی
اور وجدانی انقلاب برپا کیجئے۔ اس کے بعد صنعتی ترقی زرعی اصلاحات اور ملک کی تعمیر نو کے لئے آپ کی معمولی
کوششیں بھی بہت بڑے ثمرات ظاہر کریں گی ——

ہمیں حیرت اور افسوس ہے کہ جس پارٹی کے صدر نے اقتدار سے قبل تین بنیادوں پر انتخابی پروگرام
پیش کیا تھا اس نے اس عرصہ میں معاشی نظام کے لئے سوشلزم سیاست کیلئے جمہوریت کی طرف برائے نام سہی
کچھ تو قدم اٹھایا یا بڑھانے کی کوشش کی۔ مگر اسلام جسے اپنا دین کہا گیا تھا کامل بے اعتنائی کے ساتھ پس پشت ڈال
دیا گیا اور اب تک اسے دین کی حیثیت سے نافذ کرنے یا اسلامی خطوط پر معاشرہ کی اصلاح کے لئے کوئی قدم
نہیں اٹھایا گیا۔ نہ ملک کی تعمیر نو میں اصلاحی و اخلاقی اقدامات کی طرف کچھ توجہ ہوئی، نتیجہ وہی کہ گاڑی ہلاکت کی
اسی پٹڑی پر جارہی ہے۔ اصلاحات کے باوجود معاشرہ میں اضطراب اور بے چینی روز افزوں ہے۔ مزدوروں
اور ملازمین کا عفریت بوتل سے نکل چکا ہے۔ "سیاسی زعماء" بے اعتماد ہیں، عوام اقتصادی اور معاشی لحاظ سے
پستے جارہے ہیں۔ امن اور اتحاد کی فضا ختم ہوتی جارہی ہے۔ محبت اور الفت کے رشتے نفرت اور
عداوت سے بدل رہے ہیں۔ پھر کیا اب بھی فطرت کے ردعمل اور قانون انتقام سے ہم غافل رہیں گے؟

الحذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اس وقت جبکہ محرم سے سال نو کا آغاز ہو رہا ہے، ہم نہایت خلوص سے نئی حکومت کی توجہ وقت کے
اس اہم ترین مسئلہ۔ اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی طرف مبذول کراتے ہیں ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۱۲ محرم ۱۳۹۲

سمیع الحق

موجودہ حالات ــــ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے اندیشے

ایک المناک صورتحال نے ملک کا شیرازہ جس بے دردی سے بکھیر دیا ہے۔ اس پر نقد و احتساب کے ضمن میں پاکستان کے نقطۂ آغاز اور تشکیل سے لیکر اب تک کے حالات پر مختلف زاویوں سے گفتگو ہو رہی ہے جن خطوط اور بنیادوں پر ملک کی تقسیم یا تشکیل ہوئی، اسے بھی زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ برصغیر کی تاریخ اپنی حقیقت کی طرف لوٹ رہی ہے، کچھ کنفیڈریشن کی باتیں کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ دبی زبان سے سہی مگر دل کے اندر سے اٹھنے والے ان خیالات کو دبائے نہیں رہ سکے کہ پاکستان کی موجودہ شکل میں قیام بالخصوص بنگال اور پنجاب کی تقسیم کی نہایت شدومد سے مخالفت کرنے میں شاید مسلمانوں کے بعض عظیم رہنما بالخصوص شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی مرحوم کا نقطۂ نظر غلط نہ تھا۔ اس سلسلہ میں اگر سیاسی اور گروہی تصورات سے الگ ہو کر حضرۃ شیخ الاسلامؒ کے اندیشوں پر ایک نگاہ بازگشت ڈالی جائے تو کیا حرج ہے۔ شاید ان کی نگاہ قلندرانہ کی دور رس کا کچھ احساس تو ہو جائے خواہ اس موقف کی تصویب یا تغلیط کا کام حالات اور واقعات کے ذمہ کیوں نہ لگا دیا جائے مگر حال کے آئینہ میں ماضی کے کچھ نقوش تو سامنے آ ہی رہے ہیں۔ پاکستان کی صورت میں خلافت اسلامیہ اور اسلامی نظام کے قیام کے مقدس اور حسین تصور میں کھو کر جن لوگوں نے اپنا سب کچھ اس راہ میں لٹا دیا ہے۔ بیشک ان کی قربانیاں صد ہزار تحسین اور بارگاہ ایزدی میں اجر کی مستحق ہیں کہ انما الاعمال بالنیات ہے۔ اگر کسی کی نیتوں میں کھوٹ تھا۔ تو وبال اور بربادی بھی ان کے نامۂ اعمال ہی میں ڈالی جائے گی، مگر اپنے وقت کے ان عظیم، خدا رسیدہ اور حقیقت شناس بزرگوں کی فراست مومنانہ اور مسلسل و پیہم آلام و مصائب اور شدائد کا تحمل اس بات کی منہ بولتی شہادت رہی کہ وہ مسلمانوں کے بدخواہ نہ تھے نہ یہ لوگ ضمیر فروش اور خود غرض نہ مسلمانوں کے دشمن، ان کی اخلاص و للہیت ان کی پاکیزہ زندگی کی طرح تاریخ کے بے رحم ہاتھوں کی دسترس سے ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

ان کا ناقابل معافی جرم یہی تھا کہ وہ پاکستان میں خلافت اسلامیہ کے بلند بانگ دعووں کو ایک فریب اور دھوکہ سمجھ کر تقسیم ہند کو مسلمانوں کے مسائل کا صحیح حل نہیں سمجھتے تھے کہ اس طرح ان کی ایک تہائی

سے زیادہ آبادی سفاک ہندو کے رحم وکرم پر رہ جائے گی، لاکھوں مسلمان بے گھر اور بے در ہو جائیں گے جنہیں کوئی زمین ٹھکانہ نہیں دے سکے گی۔ ہندوستان میں تعلیمی اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے ان کی حالت نہایت پسماندہ اور قابلِ رحم ہو جائے گی۔ اسلام پورے برصغیر سے ایک گوشہ میں سمٹ کر رہ جائے گا، جبکہ ان کے خیال میں ان کے پیش کردہ فارمولا سے پاکستان ہندوستان کے چند گوشوں میں سمٹ جانے کی بجائے پورا ہندوستان ایسا پاکستان بن سکتا۔ جس میں شرعی احکام کا نفاذ مسلمانوں کے کامل اور آزاد اختیارات کے ذریعہ پورے ہندوستان میں ہو سکتا۔ (اجلاس جمعیۃ العلماء لاہور ۱۹۴۶ء کی قرارداد) پاکستان کی مجوزہ سکیم پر ان بزرگوں نے نہایت خلوص سے ہر پہلو پر غور کیا اور اس کے سیاسی، اقتصادی، لسانی، ملکی، قومی، تبلیغی، خارجہ پالیسی، غرض ہر گوشے پر اپنے تنقیدی خیالات پیش کئے، اور اپنے خیال کے مطابق مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور تحفظ و بقاء کا ضامن فارمولا پیش کیا ـــــــ

ان حضرات نے واضح طور پر کہا کہ پاکستان کو مختلف ٹکڑوں میں جو ریاست مل جائے گی، وہ خطرناک جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے گی۔ چنانچہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم اور ان صوبوں کی جنگی اہمیت کے حصّوں کا بھارت میں چلے جانے اور پنجاب کی تحصیل گورداسپور کی وجہ سے کشمیر پر بھارت کے تسلّط وغیرہ پر ان حضرات نے سختی سے تنقید کی اور اسے پورے برصغیر کے مسلمانوں کے غیر یقینی مستقبل کا پیش خیمہ قرار دیا۔ ان حضرات کا خیال تھا کہ برطانوی پارلیمنٹ اس جغرافیائی اتحاد کو ختم کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے گی۔ اس سلسلہ میں لارڈ لنگتھگو اور لارڈ ویول کے واضح الفاظ ان کے سامنے رہے۔ اور آج سقوطِ ڈھاکہ پر ماؤنٹ بیٹن کے ـــــــ تاثرات نے ان خیالات کی حرف بحرف تائید کی کہ انگریزی سامراج اپنے عیارانہ منصوبوں کے ذریعہ برصغیر کے مسلمانوں سے ایک نہ ختم ہونے والا انتقام لینا چاہتے تھے۔

ان حضرات کے تمام خدشات اور اندیشوں کو غلط ثابت کر دکھانے اور تمام غلطیوں کی تلافی صرف اس صورت میں ہو سکتی تھی کہ پاکستان قائم ہوتے ہی ہم یہاں اسلام کی مکمل حاکمیت قائم کر دیتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا، اور ہم نے ان تمام بلند بانگ دعووں ہی سے انکار کر دیا جو برصغیر کے مسلمانوں میں بے مثال دینی جوش و خروش کا سبب بن کر انہیں خاک و خون کی گھاٹیوں میں اتارنے کا سبب بنے تھے یہ ایک طویل اور شرمناک کہانی ہے۔ جو ۱۹۴۷ء سے لیکر دسمبر ۱۹۷۱ء بلکہ آج تک کے عرصہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہے۔ حضرت مدنیؒ اور ان حضرات کے اخلاص اور للہیت کے لئے یہی

کافی ہے کہ پاکستان قائم ہونے کے بعد علی وجہ البصیرت مخالفت کرنے کے باوجود انہوں نے اپنے خطوط بیانات مکاتیب اور نجی پیغامات کے ذریعہ نہ صرف اسے تسلیم کرنے پر زور دیا بلکہ یہاں رہنے والے تمام متعلقین کو حکم دیا کہ اب اپنی مساعی اس ملک کی حفاظت سالمیت اور یہاں اسلام کے غلبہ پر مرکوز کر دیں۔ اور آج حضرت مدنیؒ سے وابستہ لاکھوں علماء اور مشائخ کی جماعت اور بیشمار معتقدین ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر اپنا تن من دھن اس ملک کی ترقی اور یہاں اسلام کے غلبہ و نفاذ میں لگے ہوئے ہیں۔ مخالف جو بھی کہیں مگر اعلاء کلمۃ الحق منکرات کی مخالفت اور معروفات کی اشاعت میں لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم۔ کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ ع

کچھ ہوئے تو یہی رندان بادہ خوار ہوئے

پاکستان جس کی تشریح لا الہ الا اللہ سے کی جاتی تھی کیا شیخ الاسلام جیسے عارف باللہ اور عبد کامل کو اللہ کی حاکمیت گوارا نہ تھی۔؟ کہ وہ اس شد و مد سے اس کی مخالفت کرتے رہے۔ مگر وہ جس کی مومنانہ فراست ان دعووں کی حقیقت دیکھ رہی تھی اس تعجب کو انہوں نے اسطرح دور فرمایا:

> "بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت بطرز خلفائے راشدین قائم کی جائے گی۔ یہ خواب تو نہایت شیریں ہے۔ کاش! ایسا ہو اگر اس کا ذمہ داران لیگ اطمینان دلا دیں تو ہم اراکین جمعیۃ سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ لوگ، جن کو دین اور مذہب اسلام اور شعائر اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں نہ صورت اسلامی ہے نہ سیرت وہ اسلامی حکومت قائم کریں اور مذہب کے اصول و ضوابط پر بطرز خلفاء راشدین چلائیں وہ حضرات جن میں اور دین و مذہب میں وہ تعلق ہو جو اندھیرے کو روشنی سے ہے اور آگ کو پانی سے ہے وہ دین و مذہب کا احیاء کریں ـــــ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو کیا وہ اقلیت پنجاب اور بنگال کی (جس کی تباہی میں اسی اقلیت نے بنیادی کردار ادا کیا۔ سمیع) جو کہ معمولی اقلیت ہے، یعنی صرف پانچ یا سات عدد سے وہ ایسا ہونے دے گی۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو کیا مسلم اقلیت والے صوبوں میں اس کا ایسا ردعمل نہ ہوگا کہ وہاں خالص ہندو راج اور رام راج قائم کیا جائے۔ الخ
> (خطبۂ صدارت اجلاس سہارنپور ص ۷۰)

اور جب ایسے اندیشوں کے اظہار کی پاداش میں اپنے دور کے سب سے بڑے ولی اور اللہ کی مقرب شخصیت کو اس وقت کی ہرگالی دشنام ایذا رسانی اور توہین سے مسلم قوم نے نوازا تو ان کے

ایک جان نثار معاصر مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم چلا اٹھے اور کہا کہ :

"پاکستان ایسا ہی ہوگا جہاں مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ اس قسم کا وحشیانہ سلوک کیا جائیگا اس پاکستان میں علماء حق کو رائے کی آزادی میسر نہ ہوگی۔ اس پاکستان میں کیا آپ نماز روزے اور شعائر اسلامیہ کی چہل پہل دیکھ سکیں گے بلکہ وہ پاکستانی تو فسق و فجور کی منڈیاں ہوں گی جہاں سب کچھ ہوگا اور نہیں ہوگا تو دین الٰہی کا تذکرہ کہیں نہیں ہوگا۔ (تقریر سحبان الہند ص۹)

ایک طرف یہ کہا جا رہا تھا، دوسری طرف اسلام کے مقدس نام پر ان اندیشوں کی تضحیک کی جا رہی تھی۔ کس کا قیاس صحیح نکلا — ؟ اس کا جواب اپنی قومی زندگی کی چوبیس سالہ تاریخ کے اوراق میں ڈھونڈیئے، اگر شروع ہی سے اسلامی نظریات، شعائر اللہ دینی اقدار اور اسلام کے نظام حکومت و معاش کو پنپنے دیا گیا ہوتا، تو شاید یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ مگر ہائے رے محروم تمنا۔

—— یہ تو رہا پاکستان میں شریعت الٰہیہ کے اجراء اور نفاذ کا مسئلہ جس انداز میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا فارمولا بنایا گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ اپنی فراست باطنی کی وجہ سے اس میں آنے والے پرخطرات ہجوم کو دیکھ کر تڑپ اٹھے اور اسے مسلمانوں کے اس برصغیر میں تباہی کا واشگاف الفاظ میں پیش خیمہ قرار دینے لگے۔ فرمایا :

"یہ صحیح ہے کہ پاکستان اور اسلامی حکومت کے نعرے بڑے دلفریب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ دو اسلامی حکومتوں کے قیام کا تخیل عام مسلمانوں میں ایک خاص قسم کا سرور اور جوش پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کافی اختلافات ہیں مگر اس کے باوجود بھی یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ محض ہندوؤں کی تنگ دلی سے شاکی ہو کر ہم ایسی غلطی کر بیٹھیں جو مستقبل میں ہمارے لئے تباہ کن اور ملت کے لئے باعث بربادی بنے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ بنگال اور پنجاب کی حکومتیں اتنی طاقتور نہیں ہوں گی کہ وہ بیرونی حکومتوں کے سازباز اور انکی دراز دستیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ہندوؤں سے تو مفروضہ آزادی حاصل کر لیں۔ مگر اس مفروضہ آزادی کے بدلہ میں غیر ملکی حکومتوں کی ویسی ہی غلامی میں مبتلا ہو جائیں جیسی کہ آج ہمارے سروں پر نافذ ہے۔ اگر ایسا ہوا۔ تو یہ بدترین بدقسمتی ہوگی۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم معاملات کو محض ہندو دشمنی کی عینک سے نہ دیکھیں، بلکہ پاکستان کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ آیا یہ پاکستانی حکومتیں خود ہمارے لئے باعث رحمت ثابت ہو سکیں گی۔ یا نہیں ! آیا یہ اپنے تحفظ کا مناسب بندوبست کر سکیں گی یا نہیں!

آیا یہ اتنی طاقتور ہوں گی یا نہیں کہ بین الاقوامی سیاست میں اپنا وقار قائم رکھ سکیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو دانائی کا اقتضا یہ ہے۔ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کے لئے ما بقی اختیارات حاصل کرکے متحدہ ہندوستانی وفاق میں شامل رکھا جائے۔ اور بجائے علیحدہ ہوکر دوسروں کے غلام بننے کے ہندوؤں سے مل کر نہ صرف اپنی آزادی باقی رکھی جائے۔ بلکہ متحدہ ہندوستان کے وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود ملتِ اسلامیہ کی اس طرح اندرونی اصلاح کی جائے۔ کہ وہ زندہ اور طاقتور قوم محسوس ہونے لگے۔ "مارننگ نیوز" کا یہ بیان صحیح ہے کہ اب دنیا کی تقسیم اور علیحدگی کی مہمل سیاسی پالیسی کو چھوڑتی جارہی ہے۔ اس لئے مسلسل تجربات نے ثابت کردیا ہے۔ کہ اس تنازع البقاء کی دنیا میں صرف طاقتور زندہ رہ سکتے ہیں۔ کمزور، چاہے وہ کتنے ہی حق پرور کیوں نہ ہوں، زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

مان لیجئے! کہ قیام پاکستان کے لئے اچھے دلائل موجود ہیں۔ مگر یہ اچھے اور خوبصورت دلائل جاپان کو بنگال پر اور روس کو پنجاب وسرحد پر حریصانہ نگاہیں ڈالنے سے باز نہیں رکھ سکتے۔ کیا آزادی وانصاف کے تمام الفاظ ملک گیری کے آرزومندوں کو پاکستان کے کمزور ممالک کی تسخیر کے ارادوں سے باز رکھ سکتے ہیں! اگر کوئی اس معاملہ میں دیانتداری کا ذرا بھی شبہ رکھتا ہے۔ تو وہ بیوقوفوں کی جنت کا ساکن ہے۔ اس دنیا میں یہاں حق کے مقابلہ میں طاقت کا راج ہے۔ پاکستانی حکومتیں محض اس بنیاد پہ زندہ نہیں رہ سکتیں کہ مسلمانوں کو آزاد رہنے کا حق ہے۔ اور بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے ان کو ضرور آزاد رہنا چاہیئے۔

(نئی زندگی، کتاب دوم، صہ ۱۹ از مولانا مدنی ؒ)

بیرونی حکومتوں سے ساز باز ـــــ یا انکی دراز دستیوں کا مقابلہ، غیر ملکی حکومتوں کی غلامی ـــــ اپنے تحفظ کا مناسب بندوبست کرسکیں گی یا نہیں ـــــ روس کی پنجاب وسرحد پہ حریصانہ نگاہیں ـــــ ملک گیری کے آرزومندوں کے پاکستان کے کمزور حصوں پہ تسخیر کے ارادے اور اس قسم کے دیگر جملوں پہ غور کیجئے تو آج کے بدترین سانحہ "سقوطِ مشرقی پاکستان" کے خطوط پہ اس کی تفسیر و تشریح آپ کو مل سکے گی۔

حضرت ؒ اور ان کی جماعت کا شائع کردہ لٹریچر آپ کو ایسی باتوں سے بھرا ملے گا۔ ذہن سیاسی آلائشوں سے صاف رکھ کر بھی تو کوئی طالب العلم ماضی اور تاریخ پہ نگاہ باز رفت ڈال سکتا ہے۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر یہ حضرات ایک لمحہ کیلئے بھی آمادہ نہیں ہو رہے تھے اور اس لئے

کہ :—

پس پاکستان قائم ہوتے ہی آدھا بنگال اور آدھا پنجاب مسلمان کھو دیں گے، اب رہا آسام وہ پورا کھو دیں گے، سوائے ضلع سلہٹ کے، پس مسلم لیگ کے پاکستان کا یہ کیا نتیجہ ہوگا۔ بنگال میں ایک کوٹھری ملے گی جس کے پورب ہندو راج، پچھم ہندو راج اور اتر ہندو راج، آسام بالکل اور آدھا پنجاب نکل جائے گا۔ نتیجہ یہ ہے، مسلم لیگ کا پاکستان مسلمانوں کے لئے خودکشی سے کم نہیں ہم بھی ہندو راج میں جاکر تباہ ہوئے اور اکثریت صوبے والے بھی تباہ ہوئے۔ (قومی کارکنوں کے نام ہدایات صہ ۶)

تقسیم پنجاب اور پاکستان کے مشرقی اور مغربی حصوں کی ایک دوسرے سے علیحدگی کو حضرت مدنی "قسمۃ ضیزی" اور نامراد بٹوارہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ :

"جمعیۃ العلماء ہند ان تاریک پہلوؤں کی بنا پر کانگریس کی حالیہ تجویز تقسیم پنجاب یعنی تقسیم در تقسیم کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتی —— اور یہ تقسیم برطانوی سامراج کا آخری ہتھیار ہے۔ (خطبۂ صدارت اجلاس لکھنؤ ۱۹۴۶ء)

اس وقت ان تاریک پہلوؤں کو ہر حیثیت سے واضح کرتے ہوئے کہا گیا کہ دونوں حصوں کو الگ الگ بری بحری اور فضائی فوج رکھنا پڑے گی اور مشرقی حصہ خاص طور پر ایک جزیرہ بن جائیگا فرقہ وارانہ کشیدگی میں مزید تلخی بڑھے گی۔ مجموعی ہندوستان اور وفاقی حصوں میں، مسلمان بے بس اقلیت ہو جائیں گے۔ پنجاب اور بنگال دونوں کے اہم حصے کاٹ دینے سے ان کی موجودہ اہمیت ختم ہو جائے گی۔ مالی بحران پیدا ہوگا۔ اور پاکستان اس حالت میں صحرا اور بنجر علاقوں کا چوکیدار رہ جائے گا۔ اور پھر مشرقی و مغربی پاکستان کو ایک دوسرے سے ملانے والے راستہ کا سوال کبھی پیدا ہی نہ ہوگا۔ (ملخصاً از نئی زندگی خاص نمبر ۱۹۴۶ء صہ ۲۷)

اس نازک جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے آگے چل کر پاکستان جن داخلی مسائل سے دوچار ہو سکتا تھا۔ اور بعد کے حالات نے اس کی سو فی صد تصدیق کر دی۔ اس سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں :

"بحیثیت مجموعی مسلم اکثریت کے صوبوں کی ہمہ گیر اقتصادی پسماندگی، پانچ میں سے تین صوبوں کا خود مکتفی نہ ہونا۔ ۲۹، ۳۰ فیصدی کی منظم اور مؤثر اقلیت کی مقاومت وغیرہ پاکستان کے وہ داخلی مسائل ہوں گے جن سے حکومت عہدہ برآ نہ ہو سکے گی۔ اور اپنی حالت سنبھالنے

کے لئے کسی دوسری طاقت کا سہارا لینے پہ مجبور ہوگی جس کی وجہ سے اقتصادی زندگی کا توازن بیرونی حکومتوں اور غیر ملکی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ (آج ہم میں سے ہر شخص غیر ملکی قرضوں کے سود میں دبا ہوا ہے۔ سمیع) مزید برآں یہ حکومت اپنے وسائل کی قلت اور مصارف کی زیادتی کی وجہ سے ملک کی دفاعی ذمہ داریوں کو بھی صحیح طور پہ پورا نہ کر سکے گی۔ اس لئے ملک کے دفاع کو دولتِ مشترکہ برطانیہ (سیٹو، سنٹو، بغداد پیکٹ وغیرہ سمیع) کے دفاع سے وابستہ کرنا ہوگا۔ (بعد میں برطانیہ کی جگہ امریکہ نے لے لی۔ سمیع) یا اپنے سیاسی مستقبل کی باگ اس کے ہاتھوں میں دینی پڑے گی اور اس طرح نام نہاد سیاسی استقلال روس یا برطانیہ (یا پھر امریکہ اور چین جو سب ملت واحدہ ہیں۔ سمیع) کی سیاسی و اقتصادی غلامی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اپنی کمزوری اور تباہ حالی کی وجہ سے نہ اس کو بین الاقوامی سیاست میں کوئی اہمیت حاصل ہو سکے گی اور نہ یہ حکومت اسلامی ممالک کی کوئی مؤثر امداد کر سکے گی۔ بلکہ روس اور برطانیہ کی سیاسی ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بن کر رہ جائے گی۔ (اور اسی روس اور برطانیہ نے مشرقی پاکستان کے المیہ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ سمیع) ہندوستان اور پاکستان کے باہمی تعصبات سے برطانیہ کو پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع میسر آئے گا۔ (مکتوبات ج ۲ ص...)

جغرافیائی صورتحال کی بنا پر یہی کھٹکا قیام پاکستان کے بعد بھی ان رہنماؤں کو لگا رہا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے وفات سے کچھ عرصہ پیشتر اپنی کتاب "ہماری آزادی" میں واشگاف الفاظ میں آنے والے خطرہ کی نشاندہی کی اور فرمایا:

"مسٹر جناح اور ان کے ساتھی یہ سمجھنے سے قاصر رہے۔ کہ جغرافیائی صورتحال ان کے لئے ناموافق ہے۔ مسلمان سارے برصغیر میں کچھ اس طرح بکھرے ہوئے تھے۔ کہ ایک ملے ہوئے علاقے میں ان کی الگ ریاست بنانا ناممکن تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے شمال مشرق اور شمال مغرب میں تھے۔ یہ دونوں علاقے کسی مقام پر بھی ایک دوسرے سے متصل نہیں ہیں۔ یہاں کے باشندے مذہب کے سوا ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ------ یہ صورتحال اس وقت تھی اور اب بھی ہے۔ کون اس کی توقع کر سکتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اختلافات دور ہو جائیں گے۔ اور یہ دونوں علاقے ایک قوم بن جائیں گے۔ خود مغربی پاکستان کے اندر سندھ، پنجاب اور سرحد اپنے اپنے جداگانہ مفاد اور مفاد کیلئے کوشاں ہیں۔ بہرکیف اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ پاکستان کی نئی ریاست

ایک حقیقت ہے۔ اب دونوں ریاستوں کا مفاد اسی میں ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھائیں اور اشتراکِ عمل سے کام لیں۔ (ہماری آزادی ص۲۵۳ و ۲۵۴)

سیدنا مولانا مدنیؒ نے تو ایک مکتوب میں پاکستان کے لئے جذبۂ نصح اور خیر خواہی کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہاں تک اپنے خطرات کا اظہار کیا کہ : کہ موجودہ تشکیل میں یہ نقشہ ۲۳ - ۲۴ سال بمشکل قائم رہ سکے گا۔ اور آہ! کہ یہی چوبیس سالہ عدد ہماری بربادی اور تباہی کا عنوان یا حرفِ آخر بن گیا ہے۔ کاش! قیام پاکستان کے بعد ہی مگر ہم اللہ کے ایسے برگزیدہ بندوں کے اندیشوں کو درخور اعتناء سمجھ لیتے اور اس ملک میں اپنی تقدیر بنانے کی مخلصانہ سعی کرتے تو ان تمام خدشات اور اندیشوں کی تلافی کر لیتے اور یہ مختصر مگر پُرخطر خطہ نہ صرف اسلام کی سطوت و شوکت کا ایک مثالی ریاست بن جاتا بلکہ اسلام کی بدولت ہم اسے اغیار اور اشرار کے شر سے محفوظ کر لیتے اور پورے عالم اسلام کی قیادت کا اہل بنا کر اسے اسلام کا حصار اور عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز بنا لیتے۔ اور اسطرح آج جان لیوا اور جان نثار سرفروشوں کے ارواح طیبہ کو مزید آسودگی نصیب ہوتی جنہوں نے اسلام کے نام پر اس ملک کے لئے اپنی جانیں اور عصمتیں نچھاور کر دیں۔ یا وہ لوگ جنہوں نے ۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک انگریز کے خلاف جہاد مسلسل کے زریں ابواب اپنے خون سے رقم کئے۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت شیخ الاسلامؒ کے حساس قلب پر کیا کچھ گذرا ہوگا۔ فرماتے ہیں :

> "ہماری سنی جاتی تو آج وہ مشکلات درپیش نہ ہوتیں اس وقت مسلمان جمہوریہ ہند میں ۲۷ فیصد ہوتے جو کہ مؤثر اقلیت ہے مگر آج چار کروڑ ہیں جو ۹ یا ۱۰ فیصد بنتے ہیں۔
> (مکتوبات ج ۲ ص ۲۲۳)

> گیارہ میں سے پانچ صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومتیں ہوتیں جو تمام داخلی معاملات قانون سازی، نظام تعلیم، اقتصادی نظام کے قیام معاشرتی اور تمدنی مسائل، پرسنل لاء وغیرہ میں پوری با اختیار ہوتیں، پورے ہند میں مسلمانوں کے مذہبی ادارے اوقاف، مساجد، مقابر، اور ان کا کلچر اور تہذیب و تمدن وغیرہ محفوظ تھا۔ (مکتوبات ج ۲ ص ۸)

معلوم نہیں ان مسلمانوں کے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی، جو اسی پاکستان کی سرزمین ڈھاکہ میں اس جرم کی پاداش میں لاکھوں بہاریوں اور غیر بنگالیوں کو خاک و خون میں تڑپتا اور ان کی مقدس عصمتوں کو لٹتا ہوا دیکھ کر بھی بے بس ہیں۔ ان بہاریوں کو جن کا نعرہ تھا کہ — ہم بہار کے مسلمان پاکستان کے لئے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے۔ (ڈان - ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء)

اجڑے اور شکستہ دل آزاد ہوتے ہیں کہ جیسے چاہیں اپنے ٹوٹے ہوئے دلوں کو تاثرات اور جذبات سے آباد کرالیں ـــ نہ ملت کی خیر خواہی کسی کا اجارہ ہے۔ تاریخ خود بے رحم کسوٹی ہے۔ ـــ بہر حال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا یہ سارے اندیشے پاکستان قائم نہ ہونے کی صورت میں لائق اعتنا تھے۔ اب جبکہ یہ اندیشے "صداقتیں" بن چکی ہیں تو ہماری نجات اور تمام بربادیوں کی تلافی کی ایک ہی راہ رہ گئی ہے کہ اب اس رہے سہے ملک کو صحیح معنوں میں پاکستان بنا دیں۔ اللہ کے نام میں اتنی عظمت اور تاثیر ہے کہ اس کے سہارے سے ایک چھوٹا سا خطہ بھی پوری دنیائے کفر کو لرزہ براندام کر سکتا ہے۔ اس طرح ہم ہندوستان سے عظمت اسلام کا ہی سکہ ایک بار پھر منوا سکتے ہیں، جو تقریباً ہزار سال تک منوا چکے تھے ـــ کاش! اسلامیان برصغیر اس سرزمین میں اپنی جان تمنا اور لیلائے امید ـــ عروس خلافت اسلامیہ ـــ سے ہمکنار ہو چکے ہوتے تو یہ ساری قربانیاں اس راہ میں ہیچ ہوتیں۔ مگر آج تو "اندیشے" حقیقت بنکر ہمارا منہ چڑھا رہے ہیں۔ اور ے

اندیشہ بھی جس بات کا اندیشۂ جاں تھا
آنکھوں سے اب اس حال کو میں دیکھ رہا ہوں

"سقوط مشرقی پاکستان" کا یہ داھیۂ کبریٰ اگر کسی طالب العلم کی متجسسانہ اور بے چین طبیعت کو مداوائے زخم جگر کی تلاش میں ان قصہ ہائے پارینہ کی طرف لے گئی تو اس "جرأت گستاخانہ" کو قابل عفو سمجھ لیا جائے اور یہ اس لئے کہ ے

بیکاریٔ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

★

اگلے شمارہ میں

"میری علمی اور مطالعاتی زندگی" کے زیر عنوان مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع مدظلہ کا مقالہ

اور دیگر اہم مضامین

ملاحظہ فرمائیں　　(ادارہ الحق)

★

جناب ڈاکٹر خورشید احمد صاحب فاروقی

فتح کا راز

حضرت عمرؓ کا پیغام اسلامی افواج کے نام

ذیل کا خط عقد الفرید میں بیان ہوا ہے، اس کتاب کے مصنف نے یہ نہیں بتایا کہ یہ خط سعد بن وقاصؓ کو کہاں موصول ہوا اور نہ یہ کہ اس کے راوی کون ہیں، تاہم خط کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مدینہ سے تا قادسیہ سفر کے دوران میں کسی مرحلہ پر سعد کو ملا۔ جہاں تک مجھے علم ہے کسی دوسری مطبوعہ قدیم تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال یہ حضرت عمرؓ کا (جو مختصر نویس مشہور ہیں اور غالباً تھے بھی) سب سے لمبا خط ہے اور اس کا مضمون عالی و فوجی اقدار پر مشتمل ہے۔ پاکستان کو ایک المناک ذلت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ایسے حالات میں پاکستانی افواج کے لئے اسلام کے بطل جلیل فاروق اعظمؓ کے مکتوب کی ہر سطر میں عبرت و نصیحت کا ایک دفتر موجود ہے۔

میں تم کو اور تمہاری فوج کو تاکید کرتا ہوں کہ :

۱۔ ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہیں کیونکہ خدا کا خوف دشمن کے مقابلے میں بہترین ہتھیار اور جنگ کی سب سے مؤثر چال ہے۔

۲۔ تم اور تمہاری فوج دشمن سے جتنے چوکنا رہیں۔ اس سے زیادہ "معاصی" سے ہوشیار رہیں کیونکہ فوج کو دشمن سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا خود اپنے معاصی سے پہنچتا ہے۔

۳۔ مسلمانوں کی فتح کا راز یہ ہے کہ ان کا دشمن گرفتار "معاصی" ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ہم دشمن پر فتح نہ پا سکیں، کیونکہ ہماری تعداد اس سے کم ہے اور ہمارے ہتھیار اس کے ہتھیاروں سے گھٹیا ہیں۔ اگر "معاصی" میں ہم دشمن کے برابر ہوں تو وہ قوت میں ہم سے بڑھ جائے گا اور اگر ہم اپنی راستبازی کی قوت سے اس پر غلبہ نہ پا سکیں تو اپنی فوجی قوت سے یقیناً نہیں پا سکیں گے۔

۴۔ تم کو یاد رہے کہ خدا کی طرف سے ایسے فرشتے مامور ہیں جو تمہارے چال چلن پر نظر رکھتے ہیں، جن کو تمہارے ہر فعل کا علم ہوتا ہے، ان سے غیرت کرو اور خدا کی نافرمانی (معاصی) سے بچتے رہو۔

۵۔ یہ نہ کہو کہ دشمن چونکہ برا ہے۔ اس لئے کبھی ہم پر فتح نہ پا سکے گا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

بعض قوموں پر ان سے بڑی قومیں غالب آجاتی ہیں جسطرح مجوسی کافر بنو اسرائیل پر غالب آگئے جب کہ بنو اسرائیل نے نافرمانیوں سے خدا کو ناراض کیا۔ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ أَمْرُ اللهِ مَفْعُولًا

۶۔ خدا سے دعا مانگو کہ تمہارے اندر "معاصی" سے بچنے کی طاقت پیدا ہو اور یہ دعا اسی خلوص سے ہو جس سے دشمن پر فتح پانے کی دعا مانگتے ہو، میں بھی اپنے اور تمہارے لئے خدا سے یہ دعا مانگتا ہوں۔

۷۔ کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا خیال رکھو اور اتنا زیادہ ان کو نہ چلاؤ کہ تھک جائیں۔

۸۔ ایسی جگہ ٹھہرنے سے ان کو نہ روکو جہاں سہولت و آرام ہو، تاکہ وہ جب دشمن سے مقابل ہوں تو ان کی توانائی بحال ہو، وہ ایک ایسے دشمن سے لڑنے جا رہے ہیں جو گھر میں بیٹھا ہے اور جس کے سپاہی اور جانور تازہ دم ہیں۔

۹۔ دوران کوچ میں ہر ہفتہ ایک دن اور ایک رات قیام کرو تاکہ فوج کو آرام ملے اور وہ اپنے ہتھیار اور سامان درست کر سکیں۔

۱۰۔ جن لوگوں سے تم صلح کر دیا جو جزیہ دے کر تمہاری پناہ میں آجائیں، ان کی بستیوں سے دور پڑاؤ ڈالو، اور کسی کو ان بستیوں میں نہ جانے دو سوائے اس شخص کے جس کی سیرت پر تم کو پورا پورا بھروسہ ہو۔

۱۱۔ تمہارا کوئی سپاہی یا فوجی افسر بستی والوں کی کسی چیز پر ناجائز قبضہ نہ کرے، کیونکہ تم نے ان کی حفاظت ان کی جان مال اور آبرو کے احترام کا ذمہ لیا ہے اور یہ ایک آزمائش ہے۔ جسطرح اپنے مواخذات سے عہدہ برآ ہونے کی ذمہ داری ان کے (یعنی ذمیوں اور اہل معاہدہ) کے لئے ایک آزمائش ہے۔ جب تک وہ اس ذمہ داری کو خوبی سے انجام دیتے رہیں، تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

۱۲۔ جن لوگوں سے تم نے صلح کی ہو ان پر ظلم و ستم کر کے دشمن پر فتح پانے کی خواہش نہ کرو۔

۱۳۔ جب دشمن کے علاقہ میں پہنچو تو تحقیق حال کے لئے جاسوس بھیجو اور دشمن کے حالات سے پوری طرح باخبر رہو۔

۱۴۔ تمہارے پاس جاسوس اور مشورہ کے لئے ایسے عرب یا مقامی غیر عرب ہوں جن کی نیک نیتی اور حق گوئی پر تم کو اعتماد ہو۔ کیونکہ عادۃً جھوٹا اگر سچی خبر بھی لائے تو تم کو اس سے فائدہ نہ ہوگا، اور دھوکہ باز تمہارے خلاف جاسوسی کرے گا نہ کہ تمہارے حق میں۔

۱۵۔ دشمن کے علاقہ کے قریب پہنچ کر تم کو چاہیئے کہ ادھر ادھر رسالے بھیجو، اور دشمن اور اپنے درمیان دستے پھیلا دو، یہ دستے رسد اور فوجی اہمیت کی چیزوں کو دشمن تک پہنچنے سے باز رکھیں، اور رسالے دشمن کی دفاعی خامیاں دریافت کریں۔

۱۶۔ رسالوں کے لئے ایسے لوگ منتخب کرو جو بہادر اور صائب رائے ہوں اور ان کو تیز رفتار گھوڑے دو۔

۱۷۔ دستوں میں ایسے لوگ ہوں جن کو جہاد کی لگن ہو اور جو تلواروں کے نیچے پامردی سے ڈٹے رہیں۔

۱۸۔ رسالوں اور دستوں کے انتخاب میں ذاتی دلچسپی کو دخل نہ دو، کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے دشمن کو جو نقصان پہنچے گا۔ اور تمہاری لیاقت پر جو حرف آئے گا وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہوگا جو دوستوں کے ساتھ رعایت کرنے سے ممکن ہے۔

۱۹۔ رسالے اور دستے اسی سمت کو بھیجو جہاں ان کے شکست کھانے، نقصان اٹھانے یا تباہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

۲۰۔ جب دشمن تمہارے سامنے آئے تو اپنی بکھری ہوئی فوجیں، رسالے اور دستے سب اپنے قریب جمع کر لو اور اپنی قوت اور چالوں سے کام لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

۲۱۔ جب تک دشمن خود حملہ آور نہ ہو، لڑنے میں جلدی نہ کرو، تاکہ تم اس کی فوجی خامیوں اور دفاعی کمزوریوں سے واقف ہو سکو اور اپنے گرد و پیش سے مقامی باشندوں کی طرح باخبر ہو جاؤ، اس واقفیت کے بعد تم اس بصیرت سے لڑ سکو گے جس سے دشمن لڑنے پہ قادر ہو گا۔

۲۲۔ اس کے علاوہ تم اپنی فوج پہ پہرہ دار مقرر کرو اور حتی المقدور شب خون سے چوکنا رہو۔

۲۳۔ اگر کوئی ایسا قیدی جس کو امان نہ دی گئی ہو تمہارے پاس لایا جائے تو اس کی گردن مار دو تاکہ دشمن کے دل میں ڈر بیٹھ جائے، اللہ تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا نگہبان ہے اور اسی کی مدد پر فتح کا دارومدار ہے۔[1] (عقد الفرید، ابن عبد ربہ، مصر، ۱۹۱۳، ۱/۹۲-۹۸)

---

[1] یہ خط نہایت الارب نویری (مصر، ۶/۱۶۸-۱۶۹) جواہر الادب، احمد ہاشمی بک (مصر ۱/۱۷۷) اور عصر القرآن، محمد مہدی بصیر (بغداد ص ۹۴-۹۵) میں بھی نقل ہوا ہے، مگر ماخذ سب کا عقد الفرید ہے جسے اسپین کے ادیب ابن عبد ربہ نے چوتھی صدی ہجری میں تصنیف کیا۔

دعوات عبدیت حق | ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : ادارۂ الحق

شرمناک شکست کے اسباب اور علاج

عیدالاضحیٰ کے موقعہ پہ یہ تقریر عیدگاہ اکوڑہ خٹک میں ہوئی۔ حاضرین کی تعداد چھ ہزار کے لگ بھگ تھی

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) وکاین من نبیّ قاتل معہ ربیّون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصبرین وما کان قولھم الّا ان قالوا ربّنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین۔

محترم بزرگو! آج کسی خاص موضوع پر تقریر کا مقصد نہیں۔ نہ بوجہ علالت اتنی ہمت ہے صرف دعا کی خاطر یہاں بیٹھا ہوں۔ اور چند منٹ تک کچھ عرض کروں گا۔ تاکہ آنے والے تشریف لے آئیں۔

محترم بھائیو! آج جس ماحول میں ہم عیدالاضحیٰ منا رہے ہیں ہمارے دل مجروح ہیں، آنکھوں سے اگر خون کے آنسو بھی جاری ہوں تو کم ہے۔ کہ ہم اس کے لائق ہیں۔ آج ذلت اور رسوائی سے ہماری گردنیں جھکی ہیں۔ آنکھ اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ پچھلی عید کے موقعہ پر جس کو دو مہینے ہی گذرے ہیں ہماری تعداد بارہ کروڑ تھی۔ پاکستان روئے زمین پر اسلامی سلطنت کے لحاظ سے اول نمبر پر تھا اور آج ہم پانچ کروڑ ہیں۔

قل اللھم مالک الملک توتی الملک	اے اللہ تو ملک الملک ہے جس کو ملک
من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء	دینا چاہے دیدیتا ہے اور جس سے چاہے
وتعز من تشاء وتذل من تشاء	چھین لیتا ہے جس کو عزت چاہے دیدیتا ہے۔
بیدک الخیر انک علی کل شیئ قدیر۔	اور جس کو ذلیل کرنا چاہے ذلیل کردیتا ہے۔

تیرے ہاتھ میں بھلائیاں ہیں اور اے اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

— تو آج ہم پانچ کروڑ رہ گئے، سات کروڑ مسلمان کافر کے ہاتھوں ہم سے جدا کر دیئے گئے ہماری ہزاروں مساجد خانقاہیں دینی مدارس ہندو کے غاصبانہ پنجہ کی وجہ سے ہم سے کٹ گئی ہیں۔ ہمارے جانباز سپاہی قیدی بنائے گئے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے ساتھ غزوہ ہوگا۔ اور تمہیں اس میں شرکت کرنا ہوگی۔ حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے تھے کہ اگر میری زندگی میں وہ موقعہ آیا تو جان و مال سے اس میں شرکت کروں گا۔ اگر شہید ہوگیا تو سب شہیدوں میں میری حیثیت ممتاز ہوگی۔ اور اگر زندہ واپس ہوگیا تو یہ ابوہریرۃ نہیں ہونگا بلکہ ابوہریرۃ المحررّ ہونگا۔ جس کو جہنم سے آزادی کا پروانہ ملا ہوگا۔

حضورؐ نے فرمایا ہندو سے لڑنے والے مجاہدوں کا درجہ ایسا ہوگا جیساکہ دجال کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جھنڈے تلے لڑنے والوں کا آج ہمارے کتنے بھائی ہیں جو پاکستان اور اسلام کے حامی ہونے کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہیں اور ان کے سینوں کو نیزوں سے چھیدا جارہا ہے۔ ایسی حالت میں ہماری حالت گویا وہ ہوگئی ہے۔ جس کو حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ اے میری امت تم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیا کی قومیں ایک دوسرے کو تمہارے اوپر ایسے بلائیں گی جیسے دسترخوان پر بلایا جاتا ہے۔ جیساکہ آج دنیا کی قومیں آپس میں ہماری بربادی کے منصوبے بناتی ہیں۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اس وقت بہت قلیل ہوں گے۔ بدر کے موقعہ پر تو ۳۱۳ تھے ساری کفر کی طاقت مقابلہ میں جمع ہوچکی تھی۔ تو کیا جب مسلمان ملکوں کو بانٹا جائے گا تو ہم بہت کم ہوں گے۔ فرمایا نہیں تمہاری تعداد بہت بڑی ہوگی۔ کیا ۱۲ کروڑ تعداد معمولی ہے۔؟ اگر یکجا ہوکر تھوکیں بھی تو ایک دریا بن جائے مگر وہ جذبہ نہیں رہا بلکہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق حب دنیا اور موت سے نفرت ہم میں آچکی ہے۔ محبت دنیا کی وجہ سے سب کچھ پیچھے ڈال دیا ہے۔ اللہ کے دین کے لئے قربانی کا جذبہ کہاں رہ گیا ہے۔ دنیاوی اغراض اور خودغرضیوں کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ مومن جب لڑتا تھا تو ایسے جذبہ سے کہ بدر کے موقع پہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا اور جنگ کی نزاکت بتلادی، حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں۔ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاد کے موقعہ پہ کہا کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔ تو اور تیرا رب جاکر لڑے۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے نہیں۔ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہوکر لڑیں گے۔ الغرض سات کمان آٹھ تلواریں اور دو گھوڑے ستر اونٹ کل جنگی سامان سے مقابلہ ایک ہزار مسلح فوج کے ساتھ مگر جذبہ اور ایمان

ایسا تھا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر آپ ہمیں برک الغماد تک کہیں تو ہم جانے کو تیار ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جس سے چاہے دشمنی کریں اور جس سے چاہیں دوستی۔ ہم ہر وقت آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ تو آدمی ہیں اگر آپ سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو ہم تیار ہیں۔ یہ ہے مسلمان کی شان۔ اللہ نے فرمایا:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما۔

تیرے رب کی قسم یہ تب تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنے تمام جھگڑوں اور فیصلوں میں حکم نہ مان لیں پھر تیرے فیصلوں پر دل میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں۔ بلکہ ہر لحاظ سے فرمانبردار اور ... ہو جائیں۔

یعنی یہ ایمان کے دعویدار جب تک تمام امور اور اختلافی مسائل خانگی ہوں یا ملکی انفرادی ہوں یا اجتماعی سیاسی ہوں یا معاشی، جب تک آپ کو حکم نہ بنا لیں تب تک مسلمان نہ ہوں گے۔ تو کیا ہم نے اپنی زندگی اپنی سلطنت اور حکومت معاشرت اور معاملات میں حضورؐ اور حضورؐ کی شریعت کو حاکم سمجھ لیا تھا۔ ہم نے ۲۴ سال شریعت سے کیا سلوک کیا۔؟ ہم وہ مومن اور مسلمان کہلا سکتے تھے جن کو فتح و نصرت کی بشارت ملی تھی۔ اس کے لئے تو ایمان شرط تھی اور ایمان یہ ہے کہ ہر حالت میں حضورؐ کو ثالث اور حاکم مان لیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ایسے جذبات تم میں نہ رہیں گے تو بہت ہونے کے باوجود تمہاری حیثیت اس خس و خاشاک کی طرح ہوگی جو سیلاب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ دنیا کی ہوس اور سب کچھ اس چند روزہ زندگی کو سمجھ لینا اس سے کراہیت موت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان بزدل ہو جاتا ہے اور اگر سامنے ایک بلند اور غیر فانی مقصد ہو دوسرے جہاں کا یقین ہو تو پھر حضرت خبیبؓ کیطرح حالت ہوتی ہے کہ اللہ کے بندے کو سولی پر چڑھایا گیا۔ نیزوں سے چھلنی کیا گیا مگر سولی پہ کہتا رہا کہ ؎

ولست ابالی حین اقتل مسلماً ۔ علی ای شق کان فی اللہ مصرعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشأ ۔ یبارک علی اوصال شلو ممزع

اللہ کے حکم کی تعمیل میں میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کیا باک۔؟ وہ چاہے تو ان ٹکڑوں پر اپنی برکتیں نازل کر دے گا۔ حضرت عمرو بن جموحؓ صحابی ہیں، لنگڑے ہیں، ان کے چار بیٹے غزوۂ احد میں شریک ہیں۔ مگر باپ بضد ہے کہ میں بھی جاتا ہوں۔ بیٹوں نے جا کر حضورؐ

سے عرض کی کہ ہم سب موجود ہیں۔ آپ معذور ہیں مگر پھر بھی جہاد میں جانا چاہتے ہیں۔ باپ نے کہا:
انی احب ان اطأ الجنۃ بعرجتی ھذا۔ یا رسول اللہ میں لنگڑے پاؤں کے ساتھ جنت کی زمین
پامال کرنا چاہتا ہوں۔ قربان جایئے حضور اقدسؐ کی شفقت سے کہ عمرو بن جموح سے فرمایا، واقعی
تو معذور ہے اور جہاد جانے پر مکلف نہیں اور بیٹوں سے کہا کہ کیوں اسے روکتے ہو، شاید اسی طرح
شہید ہو کر سیدھا جنت پہنچ جائے۔ الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ جنت تلوار کے سایوں
میں ہے ایک شخص اسلام لایا۔ فرمایا نہ میں نے نماز پڑھی ہے۔ نہ کوئی اور نیک عمل کیا ہے، سوائے
کلمہ کہنے کے۔ اب میں سیدھا جنت کیسے پہنچ سکتا ہوں۔ فرمایا، شہادت سے۔ پہلے تو کیا ہندوؤں سے
لڑائی میں ہمارے ہاں بھی ایسا جذبہ تھا۔ آج ہمارے ایک لاکھ بھائی ہندوؤں کی قید میں ہیں۔ مگر ہم
یہاں ریڈیو پر گانے سن رہے ہیں۔ رقص و سرود کا بازار گرم ہے۔ میں کچھ عرصہ سے نظر کی کمی کی وجہ
سے اور اس وجہ سے بھی کہ سارے اخبارات بے حیائی سے بھرے ہوتے ہیں۔ اخبار نہیں پڑھتا۔
جنگ کے زمانہ میں اخبار اٹھاتا کہ شاید ان دنوں تو سینماؤں کی فحش تصاویر نہ ہوں گی۔ مگر دیکھا کہ ان
دنوں بھی کم نہ تھیں۔ یہ ہے ہماری غیرت اور حمیت کہ مستضعفین من الرجال۔ مظلوم اور بے کس
قیدی تمہیں بلا رہے ہیں اور تم یہاں آرام سے اپنی بے حیائیوں اور خوشیوں میں محو ہو۔ وہ اللہ سے
دعا کرتے ہیں: ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔ اور ہم نے یہاں اپنی عیاشیوں
میں کوتاہی نہیں کی نہ اپنی حالت بدلنے کا ارادہ کیا نہ اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ کیا یہ ہماری بدقسمتی
اور مسخ ہونے کی علامت نہیں کہ اتنے بڑے تازیانہ سے بھی ہم نہیں اٹھ سکے۔ محمد بن قاسمؒ تو دو چار
قیدیوں کی خاطر یہاں تک چلا آیا۔ ایک عورت کی عصمت خطرہ میں تھی۔ یہاں ایک لاکھ مسلمان
ظالم اور سفاک ذلیل ہندو کے قبضہ میں ہے۔ پھر کیا ہماری حالت میں کوئی فرق آچکا ہے۔ کیا ہم
اللہ کے سامنے روئے ہیں، کیا غیرت کے جذبات ہم میں ابھرے۔ اور کیا اپنی ماؤں بہنوں کی عصمت
کے غم میں یہاں عصمت دریوں کے اڈے بند کر دئے ہیں۔ حجاج بن یوسف تم سے ہزار درجہ
غیور اور ایماندار تھا جس نے حمیت دینی کی وجہ سے اپنا داماد اور بھتیجا محمد بن قاسم اتنے خطرہ میں
ڈال کر بھیجا۔ آج اسلام کو ایسے لوگوں کی نہیں بلکہ محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کی ضرورت ہے جو سومنات
پر ہمارا سرنگوں جھنڈا پھر لہرا سکے اس شرمناک شکست اور ذلت و رسوائی کا علاج کیا ہے۔ اس کا علاج
بھی اللہ نے بتلا دیا کہ مایوس نہ ہو، نہ اللہ کی رحمت سے بازدل ہو، اپنی حالت پر نظر ڈالو اور اسے بدلنے

کی کوشش کرو۔ اور یہ سوچو کہ حق کے لئے کتنی قربانی چاہیئے۔ وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر۔ بہت سے نبیوں کی معیت میں اللہ والے لڑے بہت سے شہید اور زخمی ہوئے مگر فتح و شکست تو ہوا ہی کرتی ہے۔ مگر مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہمت کو نہ ہارے۔

فما وھنوا لما اصابھم۔ وہ سست اور کمزور نہیں ہوئے مصیبتوں کی وجہ سے احد میں شکست ہوئی۔ ابوسفیان پکارا اٹھا اعل ھبل ہبل زندہ باد حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں اللہ اعلیٰ و اجل۔ اللہ بلند و برتر ہے۔ تو مسلمان کبھی بھی حوصلہ نہیں ہارتا۔ دیکھئے ہمارے ذمہ بہت بڑا فریضہ ہے۔ تھوڑے سے خطہ کو بھی کافر چھین لے تو جہاد فرض ہو جاتا ہے، تو ایسے وقت میں ہمیں کتنا بڑا فریضہ ادا کرنا چاہیئے وما استکانوا۔ نہ وہ دبتے ہیں، نہ ہم روس سے دبیں گے، نہ بھارت اور برطانیہ سے دبیں گے۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ رہے گا۔ مگر ہم تو اب یاس کی حالت میں ہیں۔ امیدوں کو توڑ چکے ہیں، جبکہ اللہ کی راہ میں پر امید رہنا ضروری ہے ایسے وقت کیا کہنا چاہیئے؟ ربنا اغفر لنا ذنوبنا۔ اے اللہ ہمارے گناہوں کو بخشدے بشامت اعمال ما صورت نادر گرفت۔

عین لڑائی کے دوران بھی مساجد خالی رہیں، نمازیوں میں اضافہ نہ ہوا کسی نے سمگلنگ ذخیرہ اندوزی، بلیک اور جوا، زنا، شراب نہ چھوڑی۔ حسد و بغض اور باہمی عداوت و اختلاف ترک نہ کیا کسی نے انابت الی اللہ۔ اختیار نہ کی۔ اللہ کے مجاہدوں کا تو یہ شیوہ نہیں ہوتا وہ تو اللہ کے سامنے رو رو کر کہتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے گناہ بخشدے۔ واسرافنا فی امرنا۔ اور جو کچھ زیادتی ہم سے ہو چکی ہے۔ اللہ اسے معاف کردے۔ وثبت اقدامنا۔ اور ہمارے قدموں کو کافر کے مقابلہ میں جمائے رکھ۔ وانصرنا علی القوم الکفرین۔ اور اے اللہ ہماری نصرت فرما۔۔۔ مگر ہم تو نہ اپنے اندر نصرت خداوندی کی اہلیت پیدا کرتے ہیں۔ نہ نصرت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ لیکن نصرت کے حقدار ہر حالت میں اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ کیا طلب اور اہلیت کے بغیر بھی کوئی چیز مل سکتی ہے۔ اس وقت ہمیں ان باتوں کے علاوہ اپنی تمام توجہ انفرادی اغراض اور جھگڑوں کی بجائے۔ اجتماعی مسائل کی طرف مبذول کرنی چاہیئے۔ مظلوم مسلمانوں کی فکر کرنی چاہیئے۔ اندرونی بغض حسد اور اختلاف چھوڑنا چاہیئے۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا۔ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا، ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا، ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا۔

وہ شخص جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ رہے، سب کو اللہ کی رسی پکڑنی چاہیئے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔ اور یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم نے تو یہ ملک خالص اسلام کے نام پہ

حاصل کیا تھا کہ شاید مشترکہ ہند میں ہم اپنی اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت نہ کرسکیں گے۔ مگر ہم نے یہاں چوبیس سال میں کیا کچھ کر دکھایا۔ رقص و سرود، جوا، شراب اور زنا کو رواج دیا۔ جو کام انگریزوں کے زمانہ میں بھی نہ تھے وہ ہم نے پھیلا دئے تو خدا نے دلوں میں نفرت کا بیج ڈال دیا۔ اور ہمارا شیرازہ منتشر کردیا تو اب ہمیں اسی مرض کا مکمل علاج کرنا چاہئے۔ اور وہ تمام خرابیاں چھوڑنا ضروری ہیں۔ جو اس روز بد دکھانے کا سبب بنیں۔ آپس میں بھائی چارہ قائم کرنا ضروری ہے۔ اور پوری قوم کو ایک جسد واحد بننا چاہئیے کہ رہا سہا ملک بچ سکے۔ تعیشات کو یکسر ترک کردیں۔ ہندو روزانہ اسلحہ بڑھا رہا ہے۔ کارخانے بڑھ رہے ہیں۔ جہازوں کی فیکٹریاں بنانے لگے ہیں۔ ہمارا شیوہ بھی یہی ہو کہ عیاشی کی بجائے پورے طور پر تیاری میں لگ جائیں۔ واعدوا لهم ما استطعتم۔ ارشاد خداوندی ہے اور سب سے بڑی چیز یہ کہ حضورؐ سے اپنا رابطہ اطاعت و محبت استوار کریں۔ سیاست میں بھی آئین اور دستور میں بھی اور زندگی کے ہر موقع پر بھی۔ اب دعا فرمائیے کہ اللہ ہم سب کے گناہ معاف کردے۔ اے اللہ مسلمانوں کو تمام کافروں پر غالب فرما۔ پاکستان کے دونوں حصوں کو پھر جوڑ دے، ہمیں سچا مسلمان بنا اور ہندوؤں کو مسلمانوں میں شامل فرما کہ یہ پورا برصغیر تیرے نام سے گونج اٹھے اور یہاں تیرے دین کا بول بالا ہو۔ اے اللہ صدق و دل سے تائبین سے تو نے وعدہ مغفرت فرمایا۔ اے اللہ ہم اس عیدگاہ میں تائب بن کر حاضر ہیں۔ اے اللہ ہمارے گناہوں کے وبال سے سارے عالم اسلام اور سارے ملک کو بچا اور اسلام کو فتح عطا فرما۔ اے اللہ ہماری گریہ و زاری قبول فرما، اس ملک کو باقی رکھ اور اسلام کا نظریہ پاکستان میں جاری اور قائم فرما اور ہمارے لئے اپنے دروازے کھول دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ■

حضرۃ مولانا ابوالحسن علی ندوی

سقوط ڈھاکہ
سقوط بغداد
کے آئینہ میں

ہر اس شخص کی نظر میں جو اس کائنات میں خدا کے جاری کردہ قوانین فطرت اور سنت اللہ سے واقف ہے اور اس کی ابدی اور لافانی کتاب قرآن مجید میں غور اور تدبر کا عادی اور تاریخ عالم سے باخبر ہے، یہ قومی سانحے اور تاریخی حوادث جو دنیا کے مختلف ملکوں میں اور مختلف قوموں کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں محض اتفاقات یا اچانک اور بے سبب واقعات کہلانے کے مستحق نہیں بلکہ یہ ان واقعات و حوادث و تنبیہوں اور تازیانوں کے طویل سلسلہ کا قدرتی اور حتمی نتیجہ ہیں۔ جن کو بروقت سمجھنے اور ان سے ٹھیک ٹھیک نتائج اخذ کرنے کی توفیق اللہ تعالےٰ کے ان ہی بندوں کو ملتی ہے جو کسی درجہ میں ایمانی فراست کے حامل ہوتے ہیں اور فہم صحیح کی دولت سے محروم نہیں رہتے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ۔ (سورۃ الحجر ۷۵)	اس میں صاحب فراست بندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

یہ حوادث و مصائب زیادہ تر ان عوامل کا نتیجہ ہیں جو نفسیاتی اور اندرونی طور پر قوم و معاشرہ کی زندگی میں برابر اپنا عمل کرتے رہتے ہیں ان عوامل و اسباب کے مزاج و انداز اور ان کے تیوروں کو دیکھ کر ہر سلیم الطبع آدمی اس بات کی پیشین گوئی کر سکتا ہے کہ اس قوم اور معاشرہ کا یہ انجام ہونے والا ہے، اس کے لئے نہ اس کو کسی وحی و الہام کی ضرورت ہے، نہ کسی غیر معمولی ذہانت اور باریک بینی کی۔ وہ محض ان عوامل کو اپنے پیش نظر رکھ کر ان کے انجام کو اسی طرح بتا سکتا ہے جس طرح وہ شخص جو بارش کے اوقات و علامات جانتا ہے اس کے آثار دیکھ کر بارش کی پیشین گوئی کر سکتا ہے بلکہ اس کا وقت بھی متعین کر دیتا ہے۔ حالانکہ اس کی معلومات صرف موسم کے تغیرات سے باخبری، ملک کی آب و ہوا کے صحیح علم اور اپنے مسلسل تجربوں میں ملتی ہوتی ہیں یا جسطرح قدیم زمانہ میں عرب کے بدو اپنے تجربہ کی مدد سے بارش اور آندھی

کے اوقات بتادیا کرتے تھے یا آج کی جدید رصدگاہوں کے ماہرین فلکیات و موسمیات پہلے سے اس کی خبر دیدیتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا تسلط اور اس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاریوں کی یورش اور بغداد کی پامالی محض بے سر پیر کے واقعات نہیں تھے جن کو صرف تقدیر کی گردش اور قسمت کی خرابی اور اتفاق زمانہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا جائے۔ ...... یہ دونوں واقعات دراصل اس طویل سلسلہ اسباب کا نتیجہ تھے جس میں اخلاقی امراض، حد سے بڑھی ہوئی بے اعتدالی و کج روی، مجرمانہ افعال و حرکات، مسلسل مغالطے اور خود فریبیاں اور ایسے حالات کی موجودگی شامل ہے جس میں کسی زمانہ اور کسی جگہ بھی باقی رہنے کی صلاحیت نہیں اور سب سے بڑھکر زندگی کا وہ طرز جو خدا اور رسول کو ناپسند ہے اور جو دین صحیح اور عقل سلیم کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں۔

اگر ہم تاریخ و تراجم، سیر و سوانح اور شعر و ادب کے اس ذخیرہ پر نظر ڈالیں جس میں اس عہد کے معاشرہ کی عکاسی اور اس کے رجحانات و میلانات کی سچی تصویر موجود ہے، تاریخ کی ان کتابوں کا مطالعہ کریں جس میں ہر سن کے اہم واقعات قلمبند کئے گئے ہیں یا صرف سقوط بغداد سے قبل اور سقوط کے بعد کی تاریخ دیکھ لیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ تاتاریوں کی تباہ کاری اور بغداد کی تباہی (نعوذ باللہ) قدرت کا کوئی اندھا بہرا فیصلہ نہیں تھا بلکہ خدائے عزیز و علیم کی حکمت و اندازہ کا نتیجہ اور تقاضا تھا۔

اس سلسلہ میں یہ چند سطریں ہمارے لئے کافی ہیں جو ساتویں صدی ہجری کے ایک عرب مصنف و مؤرخ ابوالحسن خزرجی نے بغداد پر تاتاریوں کے قبضہ سے پہلے اہل بغداد کی حالت بیان کرتے ہوئے قلمبند کی ہیں۔

"انہیں صرف اپنی جائدادیں بنانے اور آمدنی بڑھانے کی فکر تھی۔ ملک کے اجتماعی مصالح اور مفاد عامہ سے ان کو کچھ دلچسپی نہ تھی وہ ان دنیاوی امور میں مشغول تھے جن کا کوئی جواز نہیں، حکام کا ظلم بہت بڑھ چکا تھا اور وہ صرف استحصال و انتفاع میں لگے ہوئے تھے واقعہ یہ ہے کہ حکومت کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے۔ لیکن ظلم کے ساتھ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکتی۔" (العسجد المسبوک)

دسویں صدی کے ایک مشہور عالم و مؤرخ مفتی قطب الدین نہروالی مستعصم کے عہد میں اہل بغداد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نرم و گرم بستروں میں آسودہ بغداد کے کنارے چین کی بانسری بجانے والے آب رواں

اور صحن گلشن کے عادی دوست احباب کی محفلیں گرم اور دسترخوان میووں اور مشروبات سے پُر، انہوں نے نہ کبھی حرب وضرب سے واسطہ رکھا نہ جنگ کی تلخی سے ان کے کام و دہن آشنا ہوئے۔" (الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص۱۸۱

یورپین ایڈیشن)

ملت پر جو مصائب آتے ہیں یا اس کے کسی جزو یا عنصر کو وسیع اسلامی دنیا کے کسی حصہ میں بھی کسی شکست و ذلت یا چشم زخم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو اس کی حیثیت نہ کسی مقامی واقعہ کی ہوتی ہے نہ کسی وقتی حادثہ کی جس کو اس ملک یا اس زمانہ کے ساتھ مخصوص سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے، بغداد کی تباہی بہت کچھ ان لوگوں کی نااہلی کا نتیجہ تھا جن کے ہاتھوں میں زمام کار تھی یا چند امراء اور وزراء کی ضمیر فروشی یا دین و ملت سے غداری کا، جنہوں نے اپنے محدود و مذموم مقاصد کے ماتحت تاتاریوں کو حملہ کی دعوت دی تھی۔ لیکن مورخین اسلام نے اس واقعہ کو تاریخ اسلام کا ایک جزو بنا دیا۔ جو اس وقت سے اس وقت تک برابر دہرایا جاتا رہا ہے۔ اس کے وسیع اسباب و علل تلاش کئے۔ جن لوگوں پر اس واقعہ کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی ان کا سراغ لگایا۔ ان کا بغیر کسی رو رعایت کے احتساب کیا۔ اپنے اس فریضہ کے ادا کرنے میں جو دشوار بھی تھا اور ناخوشگوار بھی۔ نہ آخری خلیفہ مستعصم باللہ کی ذاتی دین داری، مذہبی زندگی، اور نیک نفسی ان کی تنقید و احتساب کی راہ میں حائل ہوئی، نہ وزیر ابن العلقمی کی قابلیت اور اس کے فرقہ کی مظلومیت مانع ہوئی اور نہ محقق نصیر الدین طوسی کا یگانہ علم و فضل اور اس کی جلیل القدر علمی خدمات ان کا قلم پکڑ سکیں، اس المیہ کے وقوع میں جس کا جتنا حصہ تھا، انہوں نے پوری بیباکی کے ساتھ اس کا تعین کیا۔ اور اس حیثیت سے ہمیشہ کے لئے ان کے ناموں کو تاریخ میں محفوظ کر دیا۔ اسی طرح آخری خوارزمی سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کی اس بے دانشی اور ناعاقبت اندیشی کو انہوں نے آج تک معاف نہیں کیا۔ جو تاتاریوں کے حملہ اور عالم اسلام کی عالمگیر مصیبت کا اصل سبب تھی۔

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ میں ان بے وفاؤں اور ضمیر فروشوں کا نام ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ جو کسی جانباز مسلمان بادشاہ یا کسی باحمیت اور غیور مجاہد کے منصوبے کو ناکام بنانے اور اس کی جانفشانیوں اور سرفروشیوں پر پانی پھیرنے کے ذمہ دار تھے۔ اس سلسلہ میں بنگال کے میر جعفر، دکن کے میر صادق اور غلام علی اور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے ملت فروشوں کا نام ضرور لیا جائے گا۔ ملت میں حمیت و غیرت کے قائم رکھنے، دوست دشمن کو پہچاننے اور اپنا احتساب کرنے کی عادت باقی رکھنے کے لئے یہ ناخوشگوار فرض انجام دینا ضروری ہے۔ خواہ اس کے لئے دل پر پتھر رکھنا پڑے۔ بڑی بڑی جنگوں میں شکستوں کے اسباب

کا دریافت کرنا، ناکامیابیوں کے علل و اسباب سے بحث کرنا فلسفہ تاریخ کا ایک ضروری باب اور قوموں کی زندگی و حفاظت کا ایک اہم راز ہے، اس لئے گزشتہ دو عظیم عالمگیر جنگوں (۱۹۱۴ء — ۱۹۱۸ء، ۱۹۳۹ء — ۱۹۴۵ء) پر ناقدانہ اور محققانہ کتابوں کا سلسلہ یورپ میں ابھی تک بند نہیں ہوا۔ اور جن ملکوں نے ان دونوں جنگوں میں شکست کھائی انہوں نے اپنے قائدین کے احتساب میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔ اور آج بھی ان کا ضمیر اور قلم اس کام میں مشغول ہے۔

۵ رجون ۱۹۶۷ء کی شکست اس حیثیت سے بھی کوئی مقامی اور علاقائی واقعہ اور وقتی اور ہنگامی حادثہ نہ تھا کہ اولاً اس کا تعلق مسجد اقصیٰ اور فلسطین کی متبرک سرزمین سے تھا جس سے مسلمانوں کو دینی، تاریخی اور جذباتی لگاؤ اور گہری وابستگی ہے۔ ثانیاً ان عربوں سے جو در اصل اسلام کا راس المال اور اس کی اشاعت و ترقی کا سرچشمہ ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اس نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ساری دنیا کی نگاہ میں ذلیل و خفیف کر دیا۔ اور اس ساکھ کو ختم کر دیا جو غلط یا صحیح طور پر صدیوں سے قائم چلی آرہی تھی۔ اور سب جانتے ہیں کہ کسی تاجر یا کمپنی کی اصل دولت اس کی تجارتی ساکھ اور کسی حکومت یا سلطنت کی اصل طاقت اس کی سیاسی دھاگ ہوتی ہے، اسی بنا پر کسی فرم کا نام یا ٹریڈ مارک بڑی سے بڑی قیمت دیکر خریدا جاتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ اس کی تاریخ اور سالہا سال کے تجربے وابستہ ہوتے ہیں اور اس شکست کا سب سے تاریک پہلو یہ تھا کہ عربوں کی اور ان کے ساتھ ان مسلمانوں کی جنگی عزت ان سے وابستہ تھی ساکھ ختم ہو گئی اور وہ دھاگ جاتی رہی جو صدیوں سے دلوں پہ بیٹھی تھی۔ اس لئے یہ واقعہ کسی حیثیت سے بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں اور کسی مسلمان صاحب قلم یا ناقد و مفکر کو یہ کہہ کر روکا نہیں جاسکتا کہ یہ عربوں کا اپنا معاملہ تھا۔ اس پر ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہیں، نیز اس شکست میں ایسے عبر و بصائر مضمر ہیں جو قرآن مجید کے اعجاز کا اعلان اور اسکی صداقت کو عالم آشکارا کرتے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا، اس سے قرآن مجید کے فہم اور ایمان کی ازدیاد و ترقی میں کام نہ لینا، اس سے مختلف اسلامی ملکوں اور اقوام کو سبق لینے کی دعوت نہ دینا ایک کھلی ہوئی نشانی سے آنکھیں بند کر لینا ہے اور ایک نادر موقع کھو دینے کے مترادف ہے۔

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ۔

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گذرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔

(سورہ یوسف ۔ ۱۰۵)

...

(از عالم عربی کا المیہ)

شاہد تسنیم۔ ایم۔ اے

موجودہ حالات — اور — قادیانیوں کی خطرناک سرگرمیاں

چند سالوں سے پاکستان میں قادیانیوں کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ انہوں نے پاکستان میں اپنے پاؤں اور مضبوط کرنے میں حکومت میں اثر و رسوخ بڑھا لیا ہے اور کلیدی عہدوں پر قابض ہوتے جا رہے ہیں۔ معاشی طور پر قادیانی وہی حربے اختیار کر رہے ہیں، جو یہودی یورپ میں اپنائے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو قادیانیت دینی طور پر جدید یہودیت اور سیاسی طور پر صیہونیت کی مثنیٰ ہے۔ انیسویں صدی میں ان دونوں انسانیت دشمن تحریکوں نے جنم لیا اور اس کے بعد انسانی سوسائٹی میں سرطان کی طرح پھیل گئیں۔ ان دونوں تحریکوں کا مقصد سامراج کے خفیہ مقاصد کی تکمیل اور مسلم ممالک کی سالمیت کو تباہ کرنا ہے۔

پاکستان قادیانیوں کے بڑھنے پھولنے کی ایک مضبوط بیس ہے۔ اس علاقہ میں قادیانی زیادہ سے زیادہ معاشی اور سیاسی قوت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہر ایسی سیاسی تنظیم اور لادین جماعت سے گٹھ جوڑ کرنے کے لئے بیتاب رہتے ہیں جو ان کے مذموم عزائم کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہو۔

گذشتہ سالوں میں انہوں نے پاکستانی سیاست میں جو رول ادا کیا ہے۔ اس سے ان کے خطرناک عزائم کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ یوں تو قیام پاکستان سے لے کر آج تک قادیانی درپردہ سازشوں کی پشت پناہی کرنے اور اپنے مفاد کے لئے سامراجی طاقتوں سے سودے بازی میں مصروف ہیں۔ لیکن ایوبی عہد میں ان کو پھلنے پھولنے کے خوب مواقع ملے۔ انہوں نے سیاسی آمریت کے سائے میں اپنے قدم جمائے ہمارے زرمبادلہ کو بیرون ملک میں تبلیغ اسلام کے نام پہ مرزائیت کے پرچار اور سیاسی سازشوں میں صرف کیا۔ آجکل قادیانیوں کی نگاہیں افریقہ پر جمی ہوئی ہیں۔ اس علاقے کی پسماندگی اور سیاسی بیداری کے فقدان سے فائدہ اٹھا کر قادیانی اس حصے میں قادیانی سٹیٹ مرزائیل قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف تو اسرائیل کے علاوہ مونٹ کرمل، کبابیر وغیرہ میں مضبوط سیاسی اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ جہاں سے عرب ممالک کی ملی سالمیت کے خلاف سازشیں کی جاتی ہیں، مواد تیار کیا جاتا ہے۔ جاسوس روانہ کئے جاتے ہیں۔ تو دوسری طرف افریقہ

قادیانی سٹیٹ قائم کر کے عرب ممالک کے گرد حصار مضبوط کیا جا رہا ہے۔ بہت سے قادیانی ڈاکٹر، پروفیسر، مبلغ وغیرہ افریقہ میں سرگرم عمل ہیں، سی آئی اے کے گماشتے، سامراجی پٹھو اور ان کے قادیانی حاشیہ بردار افریقہ کو مستقبل کی سیاسی بیس بنا کر عربوں کے خلاف ایک شرمناک کھیل کھیل رہے ہیں۔

افریقہ میں قادیانی خصوصیت سے اور باقی ممالک میں عمومی طور پر برطانوی اور امریکی سامراج کی خدمت ادا کر رہے ہیں۔ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر قادیانی سیاسی کھیل کھیلتے ہیں۔ اور شطرنج کے ان مہروں کو سامنے لانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ جنہیں سامراج کی پشت پناہی حاصل ہو۔ برطانوی نوآبادیاتی دور میں بھی قادیانیوں نے یہ خدمت انجام دی۔ اور آج بھی وہ ویسے ہی سرگرم عمل ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا یہ کردار نکھر رہا ہے۔ ایک زمانہ میں جب صاحبزادہ عبداللطیف کابل سے حج کے بہانے قادیان آئے اور یہاں کا طواف کر کے واپس لوٹے اور برطانوی استعمار کی خدمت کا فریضہ ادا کرنے لگے تو اس وقت یہ خیال کیا گیا کہ ان کو دینی اختلافات کی بناء پر سنگسار کیا گیا۔ لیکن بعد کے متعدد واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ اور ایسے بہت سے نام نہاد قادیانی مبلغ درپردہ برطانیہ کے محکمہ انٹیلیجنس کے خصوصی کل پرزے تھے۔ وہ ایک خاص روپ دھار کر سیاسی مقاصد پورے کرتے تھے۔ یہ لوگ مبلغوں کے بھیس میں تخریب اور سامراج کی خدمت کرنے پر مامور ہوتے تھے۔

پاکستان میں قادیانی خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ قادیانی اندر ہی اندر پاکستانی معاشرے میں دھنس رہے ہیں۔ دینی ارتداد کی تحریک کے ساتھ ساتھ معاشی بالادستی اور سیاسی برتری کے خوفناک منصوبے پر عمل درآمد جاری ہے۔ گذشتہ سالوں میں سیاسی آمریت کا شکار ہونے کی وجہ سے ہمارے مطالبات پورے نہ ہو سکے۔ مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ یہ ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، انہیں کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے۔ ان کی سیاسی سرگرمیوں اور بین الاقوامی طاقتوں کے ایماء پر کی جانے والی کارروائیوں پر کڑی نظر رکھی جائے، ارتداد کی تبلیغ کو روکا جائے اور قادیانیوں کے معاشی قوت حاصل کرنے کے راستوں کو مسدود کیا جائے۔

یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ہم مسلمان قادیانیوں کو پاکستانی ہونے کی حیثیت سے جینے کا حق دیتے ہیں۔ لیکن ہم نے پاکستان دو قومی نظریئے کی بنیاد پر حاصل کیا۔ جس بنیاد پر ملک حاصل کیا گیا اس کی طرف عدم توجہی کا نتیجہ ہے۔ کہ ہمارے ملک کا اکثریتی آبادی والا حصہ ہم سے دور ہو گیا ہے۔ اگر ابتداء ہی میں اسلامی آئین نافذ کر دیا جاتا تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ اب بھی ہم دو قومی نظریئے کی طرف پوری توجہ نہیں دے رہے۔ اس نظریئے کا تقاضا ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ ملت قرار دیا جائے اور اسلام کے اندر ایک نئی

نبوت کے پھلنے پھولنے کے راستے بند کئے جائیں
اس مطالبہ میں اس لحاظ سے بھی بڑی وقعت ہے کہ
قادیانی خود اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے مسلمانوں
کو مطلق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں.
حق تو یہ تھا کہ ان کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے
کی پہل ہوتی. لیکن وہ اس وقت تک ایسا نہیں کریں
گے جب تک کہ مسلمانوں کو اتنا کمزور نہ کر دیں کہ وہ
خود مسلم اکثریت کے دعویدار اور مسلمان غیر مسلم اقلیت
نہ قرار پائیں اس وقت جب کہ وہ اقلیت میں ہیں.
ان کے لئے بڑھنے پھولنے کا یہی ایک ذریعہ ہے.
کہ مسلم معاشرے کے اندر مسلمان بن کر گھسے رہیں انہیں
کافر بھی قرار دیں اور اپنی جتھہ بندی بھی کریں اس طرح
مسلمانوں کی اجتماعیت کو توڑ کر ان کی ملی سالمیت
کی دیواروں کو گراتے رہیں. ہم یہ صورت حال کب
تک برداشت کریں گے. کب تک یہی کھیل کھیلا
جاتا رہے گا. برطانوی عہد میں تو ہم مجبور تھے کہ انگریز
اپنی سیکولر پالیسی کی آڑ میں قادیانیوں کو پورا پورا تحفظ
بہم پہنچاتا تھا. اور ان سے سیاسی خدمات کی صورت
میں معاوضہ وصول کرتا تھا. لیکن اب ہم آزاد ہوتے
کے باوجود اتنے بے بس کیوں ہیں. ہم ایک خطرہ
کو خطرہ قرار دینے کے باوجود اس کے مستقل حل کیلئے
کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتے. تمام اسلامی فرقے
اس بات پر متفق ہیں اور ہر غیرت مند مسلمان اس
مطالبہ کے حق میں ہے. چند ایک اشتراکیت نواز اور
نام نہاد ترقی پسند سیاسی پارٹیوں کے علاوہ تمام سیاسی
پارٹیاں بھی اس پر متفق ہیں. لیکن وہ کونسا خفیہ ہاتھ ہے.
جو اس مطالبہ کو منوانے کی راہ میں سنگ گراں بنا ہوا ہے.
موجودہ حالات کے پیش نظر جہاں ہمارا یہ مقصد ہے کہ
امن و امان قائم رہے اور ہم باہمی اتحاد سے اس نازک
بحران پر قابو پا سکیں وہاں ہمارا یہ مطالبہ بھی دہرایا جانا چاہئے
کہ قادیانیوں کی خطرناک سیاسی سرگرمیوں ان کی دینی ارتداد
کی تبلیغ اور معاشی بالادستی کے لئے اختیار کئے گئے
حربوں پر کڑی نظر رکھتے ہوئے اس سیاسی فرقہ کی کاروائیوں
پر پابندی عائد کی جائے اور مسلمانوں کے ملی تحفظ کیلئے
انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے. اگر اسطرف سے
کوتاہی برتی گئی اور قوم نے خود فریبی کی راہ اختیار کی تو
وہ دن دور نہیں کہ ان کی عربوں کی سی حالت بن جائے
اسوقت ان کے سروں پر مرزائیل مسلط ہو چکا ہوگا. اور
انہیں ان کی آئندہ نسلیں اس مجرمانہ کوتاہی پر کبھی بھی معاف
نہ کریں گی. قادیانیوں کے جو خطرناک عزائم ہیں ہم ان کا
پوری طرح سے تصور بھی نہیں کر سکتے. ہم چھوٹے چھوٹے
اختلافات میں الجھ کر اپنی توانائیاں ضائع کر رہے ہیں
لیکن وہ بڑے منظم طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں.
اور اگر یہی صورت رہی تو انہیں اپنے خطرناک
مقاصد کی تکمیل میں زیادہ عرصہ نہ لگے گا. مسلمان ۱۹۵۲ء
کے بعد کے ۲۰ سالوں کو ہی دیکھ لیں آئندہ سالوں
میں نقشہ اور بدل جائے گا. پاکستان کی تاریخ کے
اس اہم موڑ پر انہیں ایک ایسا فیصلہ کرنا ہے جسکا
تعلق ان کی سلامتی اور بقا سے ہے اب یہ ان پر
منحصر ہے کہ وہ کیا قدم اٹھاتے ہیں. اور اپنی سالمیت
کے تحفظ کے لئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں.

SZB FQ

جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے ایم او ایل ڈی لٹ

صدر دائرہ معارف اسلامیہ لاہور

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

الحق نے علمی اور مطالعاتی زندگی کے بارہ میں مشاہیر علم وفضل سے اپنے تاثرات قلمبند کرنے کی اپیل کی تھی اور اس ضمن میں ایک سوالنامہ جاری کیا گیا۔ اب تک اس سلسلہ میں ملک و بیرون ملک سے جن ممتاز اور جید اہل علم وفضل نے الحق کی درخواست کو شرف پذیرائی بخش کر اپنے بلند پایہ تاثرات اور گرانمایہ خیالات ارسال فرمائے ہیں۔ ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ انڈیا۔ مولانا مفتی شفیع صاحب۔ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی۔ مولانا شمس الحق افغانی۔ حضرت ضیاء المشائخ مجددی (افغانستان) مولانا اطہر علی صاحب مشرقی پاکستان۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب فرانس۔ ڈاکٹر صغیر حسن معصومی۔ مولانا عبد القدوس ہاشمی۔ مولانا محمد یوسف بنوری۔ مولانا ظفر احمد عثمانی جیسے مشاہیر بھی شامل ہیں۔ کئی حضرات کی رائے تھی کہ اس سلسلہ کے مضامین کو ایک خاص شمارہ میں شائع کیا جائے۔ مگر اس وقت بعض وجوہات سے یہی مناسب سمجھا گیا کہ ہر شمارہ میں ایک مضمون شائع ہوتا رہے۔ بعد میں قارئین نے چاہا تو اسے ایک عدد خاص کی زینت بنا دیا جائے گا۔ ان جوابات سے غور و فکر کے کئی گوشوں پر روشنی پڑے گی اور علمی واکتسابی زندگی میں اس کے مفید اثرات ظاہر ہوں گے توقع ہے کہ دیگر حضرات مشاہیر بھی الحق کے سوالنامہ کے بارہ میں اپنے جوابات سے نوازیں گے۔ " تاثرات " میں ادارہ اپنی رائے دخیل نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنی رائے کا حق محفوظ رکھے گا۔

—— سمیع الحق ——

★

مخدوم مکرم۔ السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ تلطف نامہ موصول ہوا۔ آپ کے جذبات مخلصانہ کا شکر گزار ہوں۔ میں نہایت تہی مایہ اور کم دستگاہ آدمی ہوں۔ مسجد سے زندگی شروع کی، حالات و واقعات مدرسہ میں لے گئے۔ اور میں متعلقہ علم میں خاصی دور تک گیا۔ مگر ذہناً مسجد ہی کا رہا۔ بس بندہ ناچیز پر تقصیر، کوچہ گرد شہر رسوائی ہوں فقط، آج کل ایک آزمائش کی وجہ سے دل بھی میسر نہ تھا اور شاید میں فی الحال معذرت کر دیتا۔ مگر آپ کے والد بزرگوار۔ قبلہ مولانا عبد الحق مدظلہٗ کا اسم گرامی خط میں موجود پاکر میں نے

انکار کو سوءِ ادب خیال کرتا ہوں۔ مختصر جواب نامے کا ارادہ کر لیا ہے۔ آپ خدا سے عرض کریں کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے یکسوئی اور اطمینان نصیب ہو اور مقدس عقیدوں کی مزید خدمت کی توفیق عطا ہو۔

اب جوابات پیش ہیں۔ (بحوالہ سوالنامہ)

ا۔ ظاہر ہے کہ یہاں کتابوں سے مراد کتاب اللہ کے سوا دوسری کتابیں ہیں۔ ایسی کتابیں تین طرح کی ہیں۔ ا۔ کتب دین و تصوف۔ ۲۔ حکمت و عقلیات۔ ۳۔ ادب و شعر۔

الف۔ کتب دینی میں اوّل اوّل اپنے والد محترم (کہ وہ بھی عالم دین تھے) کے زیر اثر امام غزالیؒ کی کیمیائے سعادت سے متاثر ہوا۔ میری عربی کی استعداد کم تھی۔ اس لئے میں ان کی عربی کتابوں سے مستفید نہ ہو سکا۔ مگر فارسی کی اس مختصر کتاب نے مجھے اخلاقیات زندگی سے روشناس کیا ۔۔۔۔ اس کے بعد شرح تنویری کی آثار السنن سے روشناس ہوا ۔۔۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب میں بی۔ اے کا طالب علم تھا۔ اور مجھے معارف و اسرار دین کا چسکا نہیں پڑا تھا۔ اسی زمانے میں میں نے مواعظ اشرفیہ کا مطالعہ کیا۔ انداز بیان نہایت دلکش تھا۔ اشعار و لطائف کی آمیزش نے بڑا مزا دیا۔ اسی زمانے میں ایک اردو کتاب "الدین القیم" نظر سے گذری۔ اس کے بعد دینی کتابوں کے مطالعہ کا

سوالنامہ

ا۔ آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنّفین نے متاثر کیا اور آپکی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟

۲۔ ایسی کتابوں اور مصنّفین کی خصوصیات۔

۳۔ کن مجلات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔؟

۴۔ آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلبا کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔

۵۔ اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے۔ اس کیلئے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔؟

۶۔ علمی، فکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تخریبی، الحادی، اور تجددی رنگ میں (مثلاً انکار حدیث، عقلیت، اباحیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) مصروف ہیں۔ ان کی سنجیدہ علمی احتساب میں کونسی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔؟

۷۔ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کونسی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

۸۔ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے موثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

۔۔۔۔ امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا ۔۔۔۔۔

شوق بڑھتا گیا۔ اس اثناء میں ایک طرف مولانا ابوالکلام کی تحریریں اور شبلی کی تاریخیں نظر سے گزریں۔ اور دوسری طرف میں حضرت مولانا محمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شامل ہوگیا۔ میں نے بلوغ المرام اور مشکوٰۃ شریف مسجد چینیاں لاہور میں پہلے پڑھ رکھی تھی۔ اب مسجد شیرانوالہ میں صحیح مسلم اور حجۃ اللہ البالغہ کی تحصیل کے علاوہ حضرت مولانا کے "خاص" درس قرآن میں شرکت کی۔ اس ماحول نے گہرا نقش چھوڑا۔ چنانچہ اب تک فکریاتِ جدیدہ کے وسیع الاطراف مطالعہ کے باوجود میرا ذہن دینی ہی ہے۔

جب ذہن پختہ ہوگیا تو صحیح بخاری کے علاوہ فتح العزیز (تفسیر شاہ عبدالعزیزؒ) اور جلالین اور بعد میں بیضاوی کا مطالعہ کیا۔ جامعہ ملیہ علی گڑھ میں زیرِ تعلیم ہونے کے زمانے میں، ان سے تفسیر سورہ یوسف بھی پڑھی۔ بعد میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن کو دیکھا۔ امام ابوالحسن الاشعری کی مقالات الاسلامیین کا بہت بعد میں مطالعہ کیا اور احیاء العلوم بھی نظر سے گزری۔

تصوف کی کتابوں میں کشف المحجوب، کلاباذی کی کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف، ابونصر سراج کی کتاب اللمع کو بھی دیکھا۔۔۔ محی الدین ابن عربی کی فصوص اور فتوحات سے بھی دلچسپی رہی۔ لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بعد میں امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی تصانیف بھی جستہ جستہ نظر سے گزریں ـــــ سو یہی مختصر سی کہانی ہے دینی و عربی کتابوں سے تحصیل و اکتساب کی۔ اگرچہ گاہ گاہ اور جستہ جستہ عربی کی دیگر کتب بھی دیکھتا رہا اور اب بھی دیکھتا ہوں ـــ مگر اب میری توجہ تصوراتِ اسلام کی تعبیر و تشریح کی طرف زیادہ ہے۔ اور میری رائے ہے کہ نئے دور کو نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دین پر اعتراضات کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اب حملے عقلی نہیں، سائنسی فکر کی طرف سے ہیں۔ لہذا آج کا مسئلہ دین کو نئے اجتماعی افکار کی زد سے بچانا ہے۔

(ب) حکمت و فکریات میں میری دلچسپی فلسفے کے طالب العلم کی حیثیت سے ہے۔ میں نے افلاطون ارسطو، پھر طامس اکوئناس اور آگے کانٹ، روسو، والٹیر، شوپن ہار، سپنوزا، نٹشے، برگسان، ولیم جیمز، ڈیوی اور برٹرینڈ رسل کا خاص مطالعہ کیا ہے۔ اور آج کے "وجودیت" کے داعی حکما کو بھی دیکھا ہے۔ اس سلسلے میں اور بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ ان سب کے زہر کا تریاق علامہ اقبالؒ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن اور مولانا مودودی کی تفہیم القرآن سے ازالۂ اوہام ہوتا ہے ـــــ

(ج) ادب و شعر میں حافظ و رومی کے علاوہ نظیری و غالب اور بعد میں اقبالؒ۔ اردو میں میر تقی میر اور جدید دور میں غزل کے شعرا حسرت موہانی اور فانی سے بہت متاثر ہوں۔ اکبر الہ آبادی اور امیر مینائی

کا ذائقہ بھی میسر ہے ۔۔۔ اور یوں محسوس کرتا ہوں کہ زندگی میں یادِ خدا کے بعد شعر سے بڑا روحانی سکون ملتا رہا۔

۲۔ مجھ پر خاص کتابوں سے زیادہ عام مطالعے کا اثر ہوا۔ اس لئے مخصوص نقوش کا ذکر مشکل ہے۔ اب میں ادب کا اور دین کا بیک وقت طالب العلم ہوں۔ اور اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور بالآخر ایک مجموعی تاثر قائم ہو جاتا ہے۔

۳۔ الہلال اور معارف (اعظم گڑھ) کا مسلسل مطالعہ رہا۔ اور ادبی رسائل میں ہمایوں (لاہور) اردو (دہلی و کراچی) نیا دور اور ماہ نو (کراچی) وغیرہ وغیرہ اکثر اردو رسالے زیر نظر رہتے ہیں۔ اب نئے دینی رسالوں میں البلاغ (کراچی) اور الحق (اکوڑہ خٹک) اور ترجمان الحدیث (لاہور) نظر سے گزرتے ہیں۔ اور گاہ گاہ ترجمان القرآن (لاہور) بھی۔

۴۔ میں نے تعلیمی زندگی میں دینی علوم حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ مولانا غلام مرشدؒ (لاہوری) اور مولانا عبدالحی فاروقی وغیرہ سے۔ اور دنیوی علوم میں ابتدائی زمانے کے متعدد اساتذہ کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع (لاہوری) پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال (لاہور) اور پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی سے اکتساب کیا ۔۔۔ میرے ایک پرائیوٹ استاد خواجہ محمد سلیم (کہ میرے عظیم محسن بھی تھے۔) میرے انگریزی کے استاد تھے ۔۔۔ اور یوں زندگی بھر ہر کسی سے کچھ نہ کچھ سیکھا عالم ایک مکتب ہے اس میں شجر حجر تک سے کسب دانش ممکن ہے۔

۵۔ یہ سوال تفصیل طلب ہے۔ اس پر پھر کسی موقع پر اظہار خیال ہو سکے گا۔

۶۔ ایضاً

۷۔ اس وقت عالم اسلام کو جو مسائل درپیش ہیں وہ کئی قسم کے ہیں۔ (الف) سیاسی (ب) فکری (ج) داخلی انحطاط۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ کتابیں درکار ہیں جن کی تفصیل اس شذرے میں ممکن نہیں۔

مجملاً عرض ہے کہ سیاسی مسائل سے قطع نظر کہ اس وقت میرے مدِ نظر نہیں، جدید نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ جدید معاشرتی علوم کا مطالعہ کیا جائے۔ بلکہ انہیں تمام دینی مدارس کے درس میں شریک کیا جائے۔ معاشرتی علوم سے مراد، علمِ سیاسیات، علم معاشیات، علمِ اجتماعیات اور تاریخ و شہریت ہے ۔۔۔ اس کے ساتھ ہی علوم حکمیہ میں سے شماریات۔ تاریخ ارتقائے سائینس اور تاریخ فلسفۂ جدید، اور علم نفسیات اور تاریخ ادب مغرب بھی مفید ہے۔ ان سب علوم پر انگریزی میں تو بہت کچھ ہے۔ مگر اردو میں بھی ہر قسم کی کتابیں مل جاتی ہیں۔

میرے خیال میں دینی مدارس میں انگریزی کے متوسط

علم کے علاوہ مذکورہ بالا علوم کی آمیزش سے ان مدارس کی افادیت میں بے حد اضافہ ہوگا۔ اور وہ نئے زمانے کے فتنوں کی صحیح نوعیت سمجھ کر ان کا علاج کر سکیں گے۔ مرض کی تشخیص کے بغیر علاج ناممکن ہے۔ ہمارے علما کے پیش نظر قدیم زمانے کے ملحدانہ خیالات ہیں مگر وہ جدید الحاد کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ علما آج کے بگاڑ کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ زمانہ تقابل ادیان سے زیادہ تقابل افکار کا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ داخلی انحطاط کا علاج اور بھی ضروری ہے۔ اور میں غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کا ایک بڑا سبب تربیت نفوس کا فقدان ہے۔ ہمارے پرانے معاشرہ میں تصوف و طریقت کا ایک نظام تھا جو اندر کی بیماریوں کے علاج پر توجہ صرف کرتا تھا — نفس کی اصلاح و تزکیہ پر زور دیتا تھا۔ مگر اب خود دینی حلقوں میں اس کی اہمیت نہیں سمجھی جاتی۔ جو طبقے دینداری پر زور دیتے ہیں وہ تو اس تربیت کے اب قائل ہی معلوم نہیں ہوتے اور جو طریقت پر قائم ہیں وہ صرف تکیئے اور زاویے کی رونق ہی کو مقصود نظر جانتے ہیں۔ اصلاح نفوس کا کام انہوں نے بھی چھوڑ دیا ہے۔

انسانی زندگی میں جذبات تمام افعال و اعمال پر بڑا اثر ڈالتے ہیں۔ ان کی تعدیل کے لئے مناسب قسم کے ذوقی وسائل کی ضرورت ہے۔ کچھ ادبی ذوق، کچھ جمالیاتی مشغلہ — کچھ علم جذبات کچھ تطہیر جذبات کی صورتیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر چند کہ پولیس جرائم کا سدباب کرتی ہے مگر ان کی تعزیر سے جرائم رک نہیں جاتے۔ جرائم تو رکتے ہیں تعدیل جذبات سے، تطہیر نفوس سے شرافتوں کے عمل سے دردمندی سے، ہمدردی سے، شفقت سے، محبت سے —! اب اگر اس داخلی انحطاط کو روکنا ہے تو اس کے لئے دین پر مبنی اخلاقیات کے علم رسمی کے ساتھ ساتھ تطہیر نفوس اور تعدیل جذبات کا سامان بھی مہیا کرنا چاہئے، شفقتوں کا ایک نظام قائم کرنا لازمی ہے تاکہ قلوب میں نیکی اور اچھی زندگی کے لئے کشش پیدا ہو — ذکر و فکر اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر ظاہری طور سے شفقتوں کا عمل اور محبت عوام کا نظام، توازن اور تعدیل پیدا کرے گا۔ دینی ارکان کا عمل بالجوارح ہو اور خارجی زندگی میں طہارت نفس اور محبت و شفقت اور حسن معاملہ اور عدل و احسان نظر نہ آئے تو لوگوں پر دین کا اثر نہیں ہوتا، خصوصاً آج کے دور میں لوگ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

۸۔ اس سوال کا جواب سوال ۷ میں آگیا ہے۔

۹۔ یہ سوال بھی تفصیل طلب ہے۔ انشاء اللہ پھر کسی موقعہ پر کچھ عرض کر سکوں گا۔

ممکن ہے بعض جگہ ربط قائم نہ ہو سکا ہو۔ سو اس کا خیال نہ کیجئے —

گرچہ ہم برزدہ بینی خط من عیب مکن
کہ ز انگشت ایام بہم برزدہ است

ہمارے دیندار طبقہ کی داستان غفلت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ بلکہ دوسری شدید غلطی اس طبقہ سے یہ ہوئی کہ اس نے عوام الناس سے ربط پیدا کرنے اور ان میں دین کے اعتبار سے اپنے اثر میں لینے کی کوشش نہیں کی۔ یہ ذمہ داری نہ ہر دینی شعور رکھنے والے پر عائد ہوتی ہے کہ وہ دوسروں سے ربط پیدا کر کے ان میں بھی دینی شعور پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن علماء و مشائخ پر یہ ذمہ داری سب سے زائد ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

---- پچیس سال کی مدت خاصی ہوتی ہے۔ اس میں ایک نئی نسل وجود میں آجاتی ہے۔ اس نئی نسل کی ذہنی و اخلاقی تربیت پرانی نسل کے ذمہ ہوتی ہے۔ مگر ہم نے ان کی طرف سے غفلت برتی ہے اور ان سے ربط پیدا کر کے ان کے ذہن کو دینی بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ نئی تعلیم پانے والا طبقہ ہی عوام کی قیادت کرتا ہے۔ وہی حکومت و اقتدار کے مناصب پر پہنچتا ہے۔ اگر ان سے ہمارے علماء و مشائخ ربط رکھتے تو نتائج بہت اچھے ہوتے اور ہمیں یہ روز سیاہ نہ دیکھنا پڑتا۔ ہمارے یہاں تعلیم کا تناسب بہت کم ہے۔ اور اندازاً ۹۵ فیصد عوام جاہل ہیں۔ انہیں بہکا لینا بہت آسان ہے۔ دیندار طبقہ خصوصاً علماء و مشائخ کو اس حقیقت سے باخبر ہونا چاہیے تھا۔ علیٰ ہذا ملازمین حکومت اور حکام و افسران میں سب کے سب فاسد العقیدہ اور گمراہ تر نہ تھے۔ اکثریت ہمارے ہم مذہب صحیح العقیدہ افراد کی تھی۔ ان میں تعلیم یافتہ بھی تھے اور جاہل بھی۔ اگر ہمارے علماء و مشائخ ان سے خالصتاً لوجہ اللہ کسی دنیاوی غرض کے بغیر ربط پیدا کرتے تو ضرور اثر ہوتا۔ اور کم از کم ان کا اجتماعی ذہن دینی ہو جاتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تدبیر سے ایک زبردست و

قومی ملحدانہ نظام واقتدار میں بغیر کسی ہنگامے کے انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا۔ اگر علماء ومشائخ ان کے نوعہ پرستو دیۓ سے عمل کرتے تو حالات بالکل مختلف ہوتے۔ مگر ان حضرات نے ان طبقات میں سے کسی سے بھی خالص دینی ربط نہیں قائم کیا۔ نہ انہیں دوست نما دشمنوں کے نفاق اور ان علامات سے آگاہ کیا جنہیں دیکھ کر عوام ان منافقوں کو پہچان لیتے اور ان کے فریب سے محفوظ رہتے۔ اس کی بجائے بعض علماء ومشائخ تو انہیں دوست نما دشمنوں اور منافقوں سے ہم پیالہ وہم نوالہ رہے اور ان کی مدح سرائی کر کے عوام کو ان کے جال میں پھنسنے کی عملاً ترغیب دیتے رہے۔

دوسری طرف ہمارے دشمن ہماری تباہی اور اپنے غلبہ کی تدبیریں بہت ہوشیاری کے ساتھ کرتے رہے۔ ان تدابیر کی تفصیل طویل ہے۔ اور سب کا تذکرہ یہاں مقصود نہیں ہے۔ ان میں سب سے اہم اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے قومی ذہن کی تعمیر کو بہت قوت اور ہوشیاری کے ساتھ روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنی پوری طاقت اس مقصد کے لئے صرف کر دی کہ ہمارا ذہن دینی نہ بننے پائے۔ غیر ملکی امداد و اعانت انہیں حاصل تھی۔ پروپیگنڈے کا طریقہ وہ جانتے تھے اور اس کے ذرائع انہیں وافر تعداد میں حاصل تھے۔ ادھر ان کی یہ کوشش اور ادھر ہماری غفلت دونوں نے مل کر انہیں کامیاب کر دیا۔ اس کے نتیجے میں انہیں یہ کامیابی بھی حاصل ہوئی کہ ہماری قوم میں صوبائی، وطنی وغیرہ جاہلی عصبیتوں کو ابھار ابھار کر ہمیں آپس میں لڑاتے رہے۔

یہ ٹیکنیک بہت پرانی ہے۔ اور ہماری پوری تاریخ میں سینکڑوں بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر ہمارے زعماء نہ تو تاریخ کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں نہ اس سے کوئی سبق لیتے ہیں، بلکہ اسے نسیاً منسیاً کر کے فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ان دوگونہ اسباب کا اثر یہ ہوا کہ ہماری قوم کا اجتماعی ذہن دینی نہ بن سکا۔ بلکہ درحقیقت اس کا کوئی قومی ذہن ہی وجود میں نہیں آیا۔ ہر شخص اجتماعی مسائل کو دنیاوی اور انفرادی ذہن سے سوچتا ہے۔ جس قوم کا کوئی اجتماعی وقومی ذہن نہ ہو۔ وہ اسی قسم کے حادثوں کا شکار ہوتی ہے۔

اگر ہمارے "قومی ذہن" کا وجود ہوتا اور دین پر مبنی ہونے کی وجہ سے یہ "دینی ذہن" ہوتا نہ وہ لوگ ہماری نگاہ میں رہتے جن سے غدر کا خطرہ ہوتا۔ ہماری بیدار مغزی اور ہمارے "دینی قومی ذہن" کی ذکی الحسی کی وجہ سے انہیں غداری کرنے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔ اور اگر ہوتی تو احترام سے پہلے ہم اتنے خاک کو خاک میں ملا دیتے۔ قومی پیمانے پر "دینی ذہن" کا فقدان درحقیقت ہماری اصل کمزوری اور اس المیہ کے وقوع کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے عوام کا حال یہ ہے کہ وہ "دنیاوی ذہن" سے سوچتے ہیں۔

اس لئے جو ہوشیار شخص انہیں دنیاوی منافع کا سبز باغ دکھا کر اس کے پیچھے چلنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس بات پر ان کی نظر ہی نہیں جاتی کہ اس شخص کا مذہب کیا ہے۔؟ اس کے دینی عقیدے کیا ہیں۔؟ اور اسکی عملی زندگی شریعت اسلامیہ کے مطابق ہے یا نہیں۔؟ نیز یہ کہ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے دینی اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے ــــــ؟

مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ ہمارے سیاسی قائدین نے پچیس سال کی مدت میں عوام الناس میں سیاسی فہم بھی پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کی بجائے وہ ان کے جذبات سے کھیلتے رہے اور انہیں ابھار ابھار کر اپنا کام نکالتے رہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ ہر اس شخص کے پیچھے چلنے لگے ہیں، جو دل خوش کن وعدے کر سکے اور خطابت و نعرہ بازی میں ممتاز ہو۔ ان کا ذہن اس قابل ہی نہیں ہے کہ جھوٹے اور سچے وعدوں کے درمیان امتیاز کر سکے اور اپنے مصالح و مفاسد کو سمجھانے پر بھی سمجھ سکے۔ انہیں فریب دینا اور غلط راستوں پر ڈال دینا آسان ہے۔ ہمارے دوست نما دشمنوں اور منافقوں کے جو گروہ موجود ہیں وہ ان کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر انہیں کے ہاتھ سے انہیں تباہ کر دیتے ہیں۔ اور ان کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا کہ ہمارے تباہ کرنے والے کون ہیں۔؟ دوست دشمن میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے وہ محروم ہیں۔ یہ صرف جاہلوں کا حال نہیں ہے بلکہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بھی اسی سادہ لوحی میں مبتلا ہے۔ اور بہت آسانی کے ساتھ بدمذہب منافقوں کے فریب کا شکار ہو کر خود اپنی تباہی و بربادی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

یہ ہے ہمارے علماء و مشائخ اور سیاسی قائدین کی داستانِ غفلت جو مختصراً پیش کی گئی ہے لیکن ناسپاسی ہو گی اگر ان علماء و مشائخ کی ستائش نہ کی جائے جو اس دورِ غفلت میں بھی "دینی ذہن" بنانے اور قوم کی غفلت کو دور کر کے منافق گروہوں کی نقاب کشائی کرنے میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اس گراں قدر عمل صالح کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ انہیں اپنی بات کی اشاعت اور اسے موثر بنانے کے ذرائع اور وسائل بھی حاصل نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ ان سے دوسرے علماء و مشائخ نے کوئی تعاون نہیں کیا بلکہ بعض نے ان کی مخالفت کی، اس لئے ان کی بات موثر نہ ہو سکی۔ اور پوری قوم تو کجا اسکا عشر عشیر حصہ بھی اس سے متاثر نہ ہوا۔

ــــــ یہ عرض کر دوں کہ اس مضمون کا مقصد کسی پر طعن و طنز نہیں ہے۔ اس مصیبت کے موقع پر طعن و ملامت کسی طرح مناسب بھی نہیں ہے۔ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ الدین النصیحۃ کی تعمیل اور اسی جذبہ کا اثر ہے۔ علماء و مشائخ کی جماعت امت کی بہترین جماعت ہے۔ اخلاص و خیر خواہی کی بناء پر چند

سطریں اس جماعت کے متعلق بھی لکھنا چاہتا ہوں جس نے پاکستان بننے سے کچھ دن پہلے ہی سے "اسلامی نظام" اور "خلافتِ الٰہیہ" کی دعوت دینا شروع کر دی تھی۔ ان حضرات سے میں عرض کروں گا۔ کہ ۲۵ سال کی مدت میں ان کی منزلِ مقصود کچھ قریب ہوئی ہے یا اور دور ہوگئی۔ ؟ اگر وہ چشمِ انصاف سے دیکھیں تو نظر آئیگا کہ منزل روز بروز دور ہوتی جا رہی ہے۔ یہ حقیقت ان کی نگاہ سے اوجھل ہوگئی کہ اسلامی نظام کا تصوّر صرف "دینی ذہن" کر سکتا ہے۔ دنیاوی ذہن یہ الفاظ تو دہرا سکتا ہے مگر اس کے صحیح مفہوم کو نہ پورے طور پر سمجھ سکتا ہے نہ اسے عملی شکل دینے کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے۔ انہیں پہلے قوم کے ذہن کو دینی بنانا چاہیئے تھا۔ اس کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کوئی دشواری نہ پیش آتی۔ موٹی سی بات ہے کہ جو ذہن اجتماعی مسائل کو دینی زاویہ نظر سے دیکھتا ہی نہ ہو وہ اسلامی نظام کو کسطرح پسند کر سکتا ہے ؟ اور اس کا صحیح تصوّر کیسے کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نعرے کا یہ اثر تو نہ ہوا کہ قوم اجتماعی و سیاسی مسائل کو دینی زاوئیے سے دیکھنے لگتی البتہ اس کے برعکس کثیر تعداد اس بیماری میں مبتلا ہوگئی کہ وہ دین کو سیاسی زاوئیے سے دیکھنے لگی۔

۔۔۔۔۔۔ نعرہ لگانے والوں کا اجتماعی دین بھی دنیاوی ہی رہا۔ اس زاویہ معکوس نے اس ہی جگہ پاکر اور قیامت ڈھائی اور وہ شدید غلطیوں کا شکار ہوگئے۔ ان میں قابلِ ذکر وہ غلطی ہے، جو اس زاویۂ معکوس کے ساتھ تاریخ کے سطحی مطالعے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جس نے ان کی دعوت میں تضاد پیدا کر کے اسے خودکشی پر مجبور کر دیا۔ میرا اشارہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید اور ان کی تنقیص کی طرف ہے جو اس جماعت کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ جس سے اس کا یہ مزعومہ نظریہ پیدا ہوا کہ اسلامی نظام ۱۳ سو برس کی مدت میں صرف تیس سال قائم رہا۔ اس نظریہ اور اسلامی نظام کی دعوت میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو نظام بانیٔ نظام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی قائم نہ رکھ سکے۔ اور جو صرف تیس سال قائم رہ کر ناپید ہوگیا۔ وہ نظری طور پر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو مگر اسے عملاً ممکن کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ؟ اور جب اس کا قیام عملاً ممکن نہیں ہے تو اس کے لئے جدوجہد کرنا ہر عاقل کے نزدیک فضول اور اضاعت وقت، وقوت ہے۔ صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے کے بعد اس اعتراض کا کوئی جواب ممکن نہیں ہے۔۔۔ عرض کر چکا ہوں کہ طعن و طنز مقصود نہیں ہے۔ بلکہ دعوت فکر و عمل پیش نظر ہے۔ ان حضرات سے میری گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر غور کریں۔ اور اگر بات سمجھ میں آجائے تو اپنے پچھلے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کر کے غلطیوں کی تلافی کی کوشش کریں۔

اب کیا کرنا چاہیئے | وقت بہت گزر چکا ہے۔ اور ہماری غفلت نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے۔ تاہم ہمت نہ ہارنا چاہیئے۔ اگر ہم اخلاص و للہیت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی نیت کے ساتھ غفلت سے باز

آجائیں اور اصلاح حال کی پوری کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ امید ہے کہ وہ ہماری نصرت فرمائیں گے۔ اور ہم مزید سزا سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے انعام سے بھی سرفراز ہوں گے۔ اس کے لئے اصولی طور پر جو لائحہ عمل سمجھ میں آتا ہے وہ درج ذیل ہے۔ اس کے مطابق عمل ہو جائے تو انشاء اللہ ہم بہت کامیاب ہوں گے اور غیبی امداد ہوا کا رُخ یکسر بدل دے گی۔

۱۔ حضرات علماء و مشائخ خصوصاً اور ان کی نگرانی میں عام دیندار مسلمان عموماً اہل سنت میں دینداری کی ترویج میں اپنی امکانی استطاعت وقوت صرف کر دیں اور اس کوشش میں مسلسل لگے رہیں۔ سب سے زیادہ توجہ نماز کی پابندی اور گناہوں خصوصاً فواحش سے باز آنے پر دیں۔

۲۔ بریلویت، دیوبندیت، مقلدیت وغیر مقلدیت کے اختلافات کو کم از کم کچھ مدت کے لئے بالائے طاق رکھ دیں اور ہر مکتب فکر کے علماء و مشائخ اہلسنت ہر قسم کے ملکی و سیاسی اختلافات کو فراموش کر کے متحد ہو جائیں اور قوم کے ذہن کو دینی بنانے کی جدوجہد میں ایک دوسرے کے دوش بدوش ہو کر کام کریں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ علماء کے درمیان ملکی و سیاسی اختلافات نے جو حدود کو پار کر لیا ہے۔ اس کا ایک اثر یہ ہے کہ عوام خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کے ایک معتدبہ گروہ میں علماء بیزاری پیدا ہو گئی ہے۔ اس بیماری کا مہلک اور خطرناک ہونا محتاج تصریح نہیں ہے۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ اپنے اختلافات مٹا کر یا کم از کم انہیں حدود کے اندر لا کر اس جماعت کو اس بیماری سے نجات دلائیں۔

۳۔ دینی ذہن بنانے میں دو چیزوں کو سب سے زیادہ دخل ہے۔

اوّل۔ آخرت کا استحضار۔ آخرت ہی کا یقین وہ چیز ہے جس پر شیطان کے وار روکے جا سکتے ہیں۔ اور یہی مومن کو ہر حالت میں دین پر قائم رکھ سکتا ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی کا جس قدر استحضار ہو گا اسی قدر انسان دینی زاویئے سے دیکھنے کا خوگر ہو گا۔ اس لئے مسلمانوں میں آخرت کا یقین بڑھانے اور اسکا استحضار پیدا کرنے کی بھی کوشش کرنا چاہیے۔

دوم۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ عقیدت ومحبت۔ کیونکہ وہی ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ کبریٰ ہیں اور کتاب وسنت کا عملی نمونہ ہیں ان کے اوپر بھی ایسے احوال گذرے جو ہم پر گذرتے ہیں۔ مگر باوجودیکہ وہ معصوم نہ تھے کسی حالت میں بھی انہوں نے حدود شرعیہ کو پار نہیں کیا۔ اور ہر مسئلہ کو صرف "دینی ذہن" سے سوچا۔ اور دین ہی کی رہنمائی میں ہر مشکل کا حل نکالا ان سے عقیدت ومحبت مومن میں "دینی ذہن" پیدا کرنے کی ضامن ہے۔ ان کے ساتھ عقلی وجذباتی تعلق ہمارے اندر "نسبت" کی حمیت پیدا کر سکتا ہے۔ جو بعض اوقات چند لمحات میں دینی ذہن کی تعمیر کر دیتی ہے۔ اور جس کا فقدان ہماری تباہی وبربادی کا ایک

بنیادی سبب ہے ۔ ہمیں پوری کوشش کرنا چاہیئے ۔ کہ ہمارے سنی بھائیوں کو صحابہ کرامؓ سے وہی عقیدت و محبت حاصل ہو جائے جس کے یہ نفوسِ قدسیہ مستحق ہیں ۔

۴۔ علماء و مشائخ اور ان کے مشورے سے دینی شعور رکھنے والے مسلمان خصوصاً اونچے درجہ کے جدید تعلیم یافتہ دیندار حضرات عوام سے دینی ربط جلد از جلد اور بقدر امکان زیادہ سے زیادہ پیدا کریں ۔ یہ ربط عام مسلمانوں کے ہر طبقہ کے ساتھ قائم کیا جائے ۔ تعلیم یافتہ طبقہ سے بھی اور جاہل عوام سے بھی ۔ طلبہ ، مزدوروں ، کاشتکاروں ، زمینداروں ، ملازمین حکومت ، امراء ، رؤساء ، تجار وغیرہ کسی طبقہ اور گروہ کو فراموش نہ کیا جائے سب سے خالصتہً لوجہ اللہ ربط پیدا کر کے ان کے ذہن کو دینی بنانے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کی سعی بلیغ کی جائے ۔ جب قوم کا اجتماعی ذہن دینی ہو جاتا ہے تو ایک دینی فضا بن جاتی ہے ۔ جس کا اثر انفرادی زندگی پر بھی پڑتا ہے ۔ اور افراد بھی بقدر صلاحیت دینی ترقی کرتے ہیں ۔ صالحین کی تعداد بڑھتی ہے ۔ گنہگار بھی گناہ کو گناہ سمجھ کر اس کا ارتکاب کرتے ہیں ۔ اور اس پر نادم بھی ہوتے ہیں ۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ ہمارے ملک کے اکثر و بیشتر باشندے علم سے محروم ہیں ۔ پاکستان میں تعلیم کا تناسب غالباً ۵ فیصد بھی نہیں ہے ۔ اس لئے محض مضامین لکھنا اور قلمی خدمت کرنا کسی طرح کافی نہ ہوگا بلکہ وعظ و تقریر ، جلسے ، چھوٹی مجلسیں ، شخصی ملاقاتیں وغیرہ جملہ ذرائع استعمال کرنا لازم ہیں ۔ مساجد میں تقریریں بھی کافی نہیں ہیں ۔ شدید ضرورت ان لوگوں تک پہنچنے کی ہے ۔ جو مساجد کا رخ ہی نہیں کرتے ۔ ان کے گھروں اور مجلسوں تک ہمیں پہنچنا چاہیئے ۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے ۔ کہ صرف شہروں تک کام کو محدود کر دینا مناسب نہیں ہے بلکہ دیہاتوں میں بھی پہنچنا اور وہاں کی آبادی کے ساتھ ربط پیدا کرنا بھی بہت اہم اور ضروری ہے ۔

۵۔ ان سب چیزوں کے ساتھ نہایت الحاح و زاری کے ساتھ بارگاہ ارحم الراحمین میں پاکستان اور ملت اہلسنت والجماعۃ کی سلامتی و حفاظت اور غلبہ کے لئے دعا کا التزام ہونا چاہیئے ۔ ختم آیہ کریم یا ختم خواجگان اور اس قسم کے دیگر اذکار و ادعیہ کا سلسلہ جاری کرنا انشاء اللہ بہت مفید و نافع ہوگا ۔ "یاسلام" کا ورد بھی مفید ہے ۔ بہر کیف الحاح کے ساتھ دعا لازم ہے ۔

——— حالات دیکھتے ہوئے ایک فیصد بھی اس کی توقع کرنا مشکل ہے کہ حضرات علماء و مشائخ میری اس عرضداشت کی طرف توجہ فرمائیں گے ۔ عمل کرنا تو بڑی چیز ہے ۔ مجھے تو اس کی توقع بھی بہت کم حضرات سے ہے کہ وہ اس مضمون کو غور سے پڑھیں گے ۔ تاہم میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے ۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ ……

تا دلے صاحبدلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

(اقتباس از "تذکرہ و تبصرہ" میثاق لاہور۔ جولائی ۱۹۷۰ء)

ان حضرات[1] پر "کانگرسی مولوی" کی پھبتی سن کر خدا جانتا ہے کہ دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے اس سے کہ اس کی اوّلین زد مولانا حسین احمد مدنیؒ ایسے اکابرِ ملّت، مجاہدینِ حریّت اور زعمائے دین پر پڑتی ہے جن کے سیاسی موقف سے چاہے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے علم و فضل، تقویٰ و تدیّن، خلوص و بے نفسی، عزم و ہمت، جانفشانی و تندہی، قربانی و ایثار اور حلم و تواضع کی کوئی دوسری مثال مسلم ہند کی ماضی قریب کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ مولانا مدنیؒ کی زیارت کا شرف ہماری گنہگار آنکھوں کو تو حاصل نہیں ہوا لیکن ان کی اس "کرامت" کا مشاہدہ ہم نے بچشمِ سر کیا کہ کتنے ہی مخلص اور متدین لوگوں کی آنکھوں سے ان کا نام سنتے ہی آنسوؤں کا دریا بہہ نکلتا ہے۔ اور حلقہ دیوبند کے مدارس کی وہ زیرِ تعلیم نوجوان نسل جس نے مولانا کو نہ دیکھا نہ سنا، ان کی توہین پر مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اور ذاتی طور پہ ہمارے لئے تو سب سے بڑی شہادت مولانا امین احسن اصلاحی کی ہے جن کے الفاظ میں "مولانا مدنیؒ صرف اپنی سیاسی رائے کے سوا ہر اعتبار سے ایک مثالی شخصیت تھے۔"

اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی ایک مرتبہ مولانا اصلاحی نے سنایا کہ "جن دنوں کانگریس اور مسلم لیگ کی کشمکش زوروں پر تھی اور مولانا مدنیؒ اور ان کے رفقاء تنقید و استہزاء کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ ایک روز خبر آئی کہ کچھ لیگی نوجوانوں نے مولانا کے ساتھ نہایت توہین و تذلیل کا معاملہ کیا۔ ان دنوں دارالاسلام سرنا پٹھانکوٹ میں عام معمول یہ تھا کہ شام کے وقت ہم سب لوگ اکٹھے سیر کے لئے نہر پہ جایا کرتے۔ (گویا یہ ان دنوں کی مرکز جماعتِ اسلامی کی شام کی نشست تھی!) وہاں مولانا مودودی نے مجھ سے بھی کچھ کہنے کی فرمائش کی تو میں نے کہا ــــ میں اور تو کچھ نہیں جانتا لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ جس قوم نے مولانا مدنیؒ ایسے شخص کی توہین کی ہے۔ اس پہ یقیناً کوئی بہت بڑی آفت آنے والی ہے! ــــ اس پہ پوری مجلس پر خاموشی سی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا مودودی نے کہا کہ "مولانا آخر جو لوگ قوم کے احساسات و جذبات کا بالکل لحاظ نہ کریں۔ ان کیساتھ قوم کبھی گستاخی بھی کر گزرے تو کون سی بڑی بات ہے!" اس پر میں نے مزید تو کچھ نہ کہا لیکن اپنے اس فقرے کو دہرا دیا: میں اور تو کچھ نہیں جانتا صرف یہ جانتا ہوں کہ جس قوم نے مولانا مدنیؒ ایسے شخص کی توہین کی ہے اس پر یقیناً کوئی بہت بڑی آفت آنے والی ہے۔ (ڈاکٹر اسرار احمد مدیر میثاق)

---

[1] ذا کچلی رہنماؤں جمعیت علماء اسلام کا۔

حالِ ماضی کے آئینہ میں — مولانا سعید احمد اکبر آبادی

قسطنطنیہ کی ناکامیاں

ہماری

ناکامیوں کے اسباب

ع۔ وانا ظلمنا فنا بتلینا بظالم

جس طرح اندلس کی فتح سے اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ایک سنئے اور شاندار باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ جو مسلمانوں کے سیاسی عروج کی ایک روشن دلیل ہے۔ اسی طرح مشرقی رومن امپائر کے دارالسلطنت قسطنطنیہ کے معرکہ میں مسلمانوں کی ناکامیاں بھی اپنے اندر عبرت وبصیرت کی بہت سی داستانیں رکھتی ہیں۔ اندلس کی فتح کے ساتھ اس ناکامی کا حال پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں کس طرح اسلامی فتوحات کی وسعت کے باوجود زوال وانحطاط بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے، گویا جسم بہ ظاہر بہت توانا اور فربہ تھا مگر روح اندرونی طور پر اضمحلال پذیر ہو رہی تھی۔ اس لئے کبھی کبھی کسی مادی ناکامی کی شکل وصورت میں اس کا ظہور ہوتا ہی رہتا تھا۔

قسطنطنیہ کے محاصرہ میں مسلمانوں کو جو مسلسل ناکامیاں اٹھانی پڑی تھیں۔ وہ کوئی ایسی معمولی چوٹ نہ تھی جس کا اثر امتدادِ ایام کے ہاتھوں مٹ جاتا۔ بلکہ اسلامی فوج کے دل وجگر پر ایک ایسا داغ تھا، جو رہ رہ کے ابھرتا تھا۔ اور ان کو بیقرار کر جاتا تھا۔ سلیمان بن عبدالملک کے دور کی ناکامی ایسی حوصلہ شکن تھی کہ اس کے بعد سے نویں صدی ہجری کے نصفِ ثانی تک یہ مہم سر نہ ہو سکی یہاں تک کہ ۸۵۳ھ میں یعنی مذکورہ بالا معرکہ سے کامل آٹھ سو سال بعد ترکوں نے اس کو فتح کیا۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اگر اس وقت مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو آج یورپ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور کون کہہ سکتا ہے کہ مصر و شام وعراق کی طرح یہاں کی آبادی کا بھی اکثر وبیشتر حصہ فرزندانِ توحید پر مشتمل نہ ہوتا لیکن

یرید المرء ان یعطی مناہ ویابی اللّٰہ الا ما یشاء

آدمی چاہتا ہے کہ اس کو اس کی مراد مل جائے۔ لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

مؤرخین نے ان اہم معرکوں میں ناکامی کے مختلف وجوہ اسباب بیان کئے ہیں مثلاً ایک یہ کہ عربوں کو بحری جنگ کا کامل تجربہ نہ تھا۔ ۲۔ مسلمہ بن عبدالملک نے عموریہ کے گورنر لیو پر اعتماد کر کے غلطی کی اور اسے اپنا ہم راز بنا لیا۔ ۳۔ موسم کی شدت عربوں کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ ۴۔ رومیوں کے پاس طاقت وقوت زیادہ تھی اور اسلحہ بھی بعض نئی قسم کے تھے۔

مادی اعتبار سے یہ اسباب مسلمانوں کی ناکامی میں موثر ہو سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اسباب کے علاوہ ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان امراء جو اس وقت اسلامی فوج میں نمایاں اثر رکھتے تھے۔ روحانی اعتبار سے کسی بڑی عظمت کے مالک نہیں تھے، تشدد، جبر و ظلم، استبداد اور سخت گیری خلفاء سے لے کر معمولی درجہ کے عمال و ولاۃ تک کا شیوہ تھی۔ مسلمان تو مسلمان خود غیر مسلم بھی اس راز کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے مسیحی بادشاہ نے چوتھی صدی ہجری میں خلیفۂ عباسی کے نام جو ایک منظوم خط عربی میں لکھا تھا اس میں وہ کہتا ہے ؎

الا شمروا یا اهل بغداد ویلکم — فملککم مستضعف غیر دائم

فعودوا الی ارض الحجاز اذلة — وخلوا بلاد الروم اهل المکارم

ملکنا علیکم حین جار قویکم — وعاملتم بالمنکرات العظائم

قضاتکم باعوا جهاراً قضاءهم — کبیع ابن یعقوب بنجس دراهم

ترجمہ: اے اہل بغداد تمہارے لئے تباہی ہے تم بھاگنے کیلئے مستعد ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہارا ملک ضعیف اور ناپائیدار ہے۔ تم ذلیل ہو کر ارض حجاز کیطرف واپس چلے جاؤ اور ذی عزت رومیوں کے شہروں کو خالی کر دو۔ ہم تم پر غالب اسوقت ہوئے جبکہ تمہارے قوی نے ضعیف پر ظلم کیا اور تم اعمال شنیعہ کرنے لگے۔ تمہارے قاضی اپنے فیصلوں کو اسطرح بیچنے لگے جسطرح یوسف علیہ السلام چند دراہم میں بیچے گئے تھے۔

خلیفۂ عباسی نے ان اشعار کا جواب اس زمانہ کے مشہور عالم اور ادیب قفال مروزی سے لکھوایا تھا۔ دیکھئے جواب میں کس صفائی کے ساتھ امر حق کا اعتراف کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وقلتم ملکنا بجور قضاتکم — و بیعهم احکامهم بالدراهم

وفی ذالک اقرار بصحة دیننا — وانا ظلمنا فابتلینا بظالم

ترجمہ: تم کہتے ہو کہ ہم (عیسائی) اس وجہ سے تم پر غالب آگئے کہ تمہارے قاضی ظلم کرتے تھے اور وہ اپنے فیصلوں کو دراہم کے بدلہ میں فروخت کر دیتے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے لیکن اس میں تو ہمارے دین کی سچائی کا اقرار ہے۔ کہ ہم نے ظلم کیا تو ہمارا واسطہ ظالموں سے پڑ گیا۔

سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں محاصرۂ قسطنطنیہ کے ناکام ہونے سے دو سو برس بعد ایک عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کی ناکامی کا جو سبب بتایا تھا یعنی عمال و حکام کا ظلم و جور اور دین قیم کے احکام سے انحراف دیکھئے یہ کسطرح مسلمانوں کی پوری تاریخ میں شروع سے آخر تک کار فرما رہا ہے۔ بابر نے ہندوستان پر پے در پے حملے کئے مگر جب تک وہ ؎ نوروز و نو بہار و مے و دلبر خوش است — بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست پر عامل رہا فتح حاصل نہ کر سکا۔ پھر جب اس نے پیمانہ و سبو کو توڑ کر ان تمام رندانہ بدمستیوں سے توبہ کر لی تو فتح و ظفر نے بھی آگے بڑھ کر اس کے قدم چوم لئے۔

■■

مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب، کشمیری

عظیم اسلامی مملکت کی بربادی کی ذمہ دار

شراب

اسلام کی نظر میں

اے صدر محترم ! ایک نگاہ اس پر بھی ——— (ایڈیٹر)

قاہرہ پر بمباری ہوئی، مسلمان تڑپ اٹھا، الجزائر کی مسلم آبادی پر مصیبت آئی، عالم اسلامی بلبلا اٹھا، قلب عرب میں بیٹھ کر اسرائیل نے حملہ کیا ساری دنیا کے مسلمان چیخ پڑے ۔۔۔ لیکن سیاسی، معاشی، اقتصادی تفوق اور برتری کے طالب یورپ کی ہر حرکت مذبوحی پر مضطرب ہونے والے اسی مسلمان نے ٹرکی کے ریڈیو پر شراب کے فوائد و منافع نشر کئے، قاہرہ کے ریسٹورنٹوں میں جام و ساغر سے محفل رندی و مستی گرم کی اور اکثر و بیشتر اسلامی ریاستوں میں شراب کے کاروبار کی اجازت دیکر، یورپ کی سب سے زیادہ تیز اور قاطع تلوار سے اپنی گردن ہنسی خوشی کٹوادی ۔ اور اس طرح یورپ اپنی خفیہ خطرناک تدبیروں میں کامیاب ہوگیا۔

"——— مہلک ترین ہتھیار جس کی ریشہ دوانیاں مشرقیوں کی پاتال تک پہنچیں اور زہر آلود خنجر جس سے مسلمانوں کا قتل عام ممکن ہے یہ ہے کہ مسلمانوں میں شراب کا رواج عام کر دیا جائے"

(ڈاکٹر ہنری فرانسیسی)

فطرت سلیم پر پیدا ہونے والے انسان اور سلامتی طبع پر مجبول و مخلوق مسلمان جس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے فطرت انسانی سے بہت زیادہ قریب کے دو سرچشمے یعنی قرآن و حدیث مہیا کئے گئے ہیں اسی کو گمراہ اور عقل کی سکراتی کیفیات میں مبتلا کرنے کے لئے یورپ کا طویل و عریض حصہ اور کروڑہا کروڑ انسانوں کی آبادی میں پھیلا ہوا یہ بر اعظم کیا سوچ رہا ہے ؟ اور کس طرح کر رہا ہے ؟ اس کی ایک دھندلی سی تصویر فرانس

کے ایک مشہور مصنف کے مذکورۃ الصدر مقولہ میں دیکھئے، قرآنی رشد و ہدایت کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے انسانوں کو اسلام بیزار بنانے اور گمراہی وضلالت میں دھکیل دینے کے خاکے وتجاویز سکرات کے اسی باطل نشاط وسرور میں تلاش کئے جارہے ہیں جسکی تباہ کاریوں پر چودہ سو سال قبل مطلع کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ: "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" لیکن شیطانی وساوس میں مبتلا دنیا کی ایک بڑی آبادی، آدم کی ذریت کو آج اسی "رجس من عمل الشیطان" میں مبتلا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اور اس حادثہ کا المناک پہلو یہ ہے کہ یورپ کی شاطرانہ تدابیر سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے والا مسلمان اسی جام زہر کو حسین چہروں کی پُرفریب مسکراہٹ پر بہکے رہا ہے اور اپنے اندر انڈیل کر نہ صرف اپنی جسمانی صحت کی بنیادیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ بلکہ غیر شعوری طور پر یورپ کے تیشوں کی مسلسل ضربوں کے لئے راہ بھی ہموار کرتا جارہا ہے۔

اف طغیانِ عقل وہوش اور سکراتِ حواس وآگہی کا یہ کیسا بھیانک منظر اور دلدوز سانحہ ہے۔ کہ یورپ کے سامنے کے حملوں کی پُرزور مزاحمت ومدافعت کرنے والا مسلمان "درون پردہ" کے خطرناک منصوبوں کا اپنے ہاتھوں شکار ہو رہا ہے۔

آج اسلامی زندگی کی عمارت کو شکست وریخت کرنے کے لئے اسی شراب سے کام لیا جارہا ہے۔ جس کو اسلام نے حرام قرار دے کر انسانیت پر احسان عظیم کیا تھا، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مقالہ میں شراب کی مضرتوں کو جن کا تعلق جسمانی صحت، اخلاقی زندگی، عائلی حالات اور معاشرہ سے ہے، کھول کر بیان کریں۔ لیکن اس سے قبل تحریم خمر کے سلسلہ میں چند ابتدائی عنوانات کا سرسری جائزہ لیا جائے۔ پھر مقاصد بخوبی ذہن نشین ہو سکیں گے۔

اسلام اور تحریم شراب

بنی نوع انسان پر اسلام کے ہزارہا احسانات کے ساتھ نتائج کے اعتبار سے دور رس ایک عظیم الشان احسان یہ بھی ہے کہ اسلام نے شراب کی حرمت کو تشریعی دائرہ میں لاکر مذہبی اعتبار سے حلال وحرام کے مرحلہ پر لا کھڑا کیا اور اس طرح کروڑوں انسانوں کو اس لطف وپرکیف زہر سے محفوظ رکھنے کی موثر تدبیر کی۔ اس معتدل اور استوار مذہب کے علاوہ بقیہ کسی تہذیب میں شراب حرام نہیں بلکہ

> "ہندی، مصری، یونانی، رومی، اسرائیلی اور مسیحی تہذیب نے تو اسے لازمہ تہذیب و شرافت بنا دیا، یہاں تک کہ مسیحی تہذیب نے تو اسے نماز کا جزو بنا ڈالا۔ اور گرجے میں شراب پینے کو ثواب قرار دیا۔ صلاا "انسانیت حیوانیت کی راہ پر"

_____ اسلام کے اس عظیم الشان کارنامہ اور اس احسان کا اعتراف بھی کرتے رہے، جن کی تہذیب کا لازمہ شراب ہے اور جن کی گرمئ عیش و نشاط اسی سیال زہر پہ ہے۔ ڈاکٹر بنؤم (سابق ممبر پارلیمنٹ برطانیہ) لکھتا ہے کہ :

"شریعت اسلام کے محاسن میں سے ایک تحریم خمر ہے۔" من محاسن شریعة الاسلام تحریم الخمر۔ (طنطاوی ص ۱۹۵)

پارلیمنٹ برطانیہ کا یہی ممبر اپنی تصنیف "اصول الشرائع" میں شراب کی مضرتوں کو بیان کرکے اسکی ممانعت پر زور دیتے ہوئے اعتراف کرتا ہے کہ سب سے پہلے شراب کی حرمت کو مذہبی قانون کی حیثیت میں پیش کرنے والا دین کامل "اسلام" ہے لکھتا ہے کہ :

"محمد رسول اللہ صلعم کے دین میں تمام مسکرات حرام ہیں۔ یہ امر شریعت مصطفوی کے محاسن میں سے ہے۔" وقد حرمت دیانة محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمیع المشروبات وھذہ من محاسنھا۔ (ایضاً ص ۱۹۶)

"سر ولیم میور" ایسے متعصب مورخ کو تسلیم کرنا پڑا کہ :

"اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک مے کشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا کوئی اور مذہب نہیں۔" (لائف آف محمد ص ۵۲۱)

اسی طرح انیسویں صدی کے ربع آخر میں "لندن" میں چرچ کانگریس کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے ممتاز پادری اسحاق ٹیلر نے کہا تھا کہ :

"دنیا میں انسداد مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے برخلاف اس کے ہماری یورپین تجارت کے قدم جہاں پہنچ جاتے ہیں۔ بدکاری، اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی جاتی ہے۔ (انسانیت حیوانیت کی راہ پر ص ۲۱۹)

صدیوں آتش سیال کے اس مہلک زہر کو سرور و نشاط کو دوبالا کرنے کی خاطر استعمال کرنے والا یورپ اسکی بے پناہ تباہ کاریوں پر مطلع ہو جانے کے بعد وہی کچھ کہہ رہا ہے جو چودہ سو سال قبل اسلام نے کہا تھا کہ آج یورپ چیخ رہا ہے کہ : "شراب کو قطعی حرام کئے بغیر چارہ نہیں۔" (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ص ۵۹)

یہ تسلیم ہے کہ جاہلیت میں بعض سلیم الطبع انسان شراب کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے جیساکہ زرقانی میں عبدالمطلب کے حالات میں ہے کہ انہوں نے : "شراب کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔" (ص ۸ جلد ۱)

"عباس بن مرداس سے جاہلیت کے دور میں دریافت کیا گیا کہ تم شراب کیوں نہیں پیتے ؟ تو

انہوں نے جواب دیا کہ :

میں اپنے ہاتھوں دیوانہ و مجنون بننے کے لئے تیار نہیں اور نہ مجھ کو یہ پسند کہ صبح کو سردار قوم سمجھا جاؤں اور پھر شام کو قوم میں پاگل تصور کیا جاؤں۔

ما انا باخذ جھلہ بیدی فادخلہ
جوفی ولا ارضی ان اصبح سید قوم
وامسی سفیھھم (قرطبی ص۵۴)

لیکن پھر بھی کہنا پڑے گا کہ ایسی چند استثنائی صورتوں کے علاوہ پورا عرب بلکہ دنیا کا اکثر و بیشتر آباد حصہ اس زہر کے جرعوں سے جب اپنی صحت کی عمارت کو منہدم اور اخلاق و معاشرت کو درہم برہم کر رہا تھا۔ تو صرف اسلام ہی وہ پہلا اور تنہا مذہب تھا جس نے شراب کی تحریم کا مسئلہ کھڑا کیا اور بڑی منظم حکومتیں اپنے طاقتور قانون سے جس لت کے انسداد میں آج تک ناکام رہیں اسلام نے چند دن میں اس کو یکسر چھڑا دیا دنیا کو اسلام کے سینکڑوں احسانات کے ساتھ اس احسان کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور شراب کی تباہ کاریوں کے مشاہدہ و تجربہ کے بعد چودہ سو سالہ صداقتوں پر خواہ مخواہ ایمان لانا ہوگا۔

قرآن اور تحریم خمر | اسلامی زندگی میں ارشاد و ہدایت کا جامع ترین قانون قرآن کریم ہے۔ یہ ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جس کے تمام احکام انسانی فطرت کی کمزوری اور اس کی ناتوانی کو سامنے رکھ کر تیار کئے گئے ہیں۔ یہ کلام الملوک ملوک الکلام کی حقیقی اور مکمل تصویر، زندگی اور اس کے تمام تقاضوں کی ایسی کامل رہنمائی کرتی ہے جس پر خردہ گیری ممکن نہ قیل و قال کی گنجائش آج چودہ سو سال کے بعد تیزگام دنیا اس کے پیش کئے ہوئے نظریات و حقائق کی تصدیق کر رہی ہے۔ اور اس کے بنائے ہوئے ضابطۂ حیات پر تیزی سے یقین لا رہی ہے۔ سو دو سو سال قبل نہیں بلکہ پورے چودہ سو سال پہلے ...... اس نے شراب کی مضرتوں پر اپنے جامع انداز میں جو کچھ کہا تھا، ہزار ہا تحقیقات و تجربات کے بعد بھی اس پر اضافہ ممکن نہیں۔ قرآن نے اس مرحلہ پر جس طرح رہنمائی کی ہے۔ اس کی ایک مختصر تفصیل یہ ہے۔ "طنطاوی" نے تحریم شراب کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ :

"مکہ میں جب یہ آیات نازل ہوئیں کہ ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکراً و رزقاً حسناً۔ تو مسلمانوں نے شراب کے استعمال کو باقی رکھا۔ اس کے بعد حضرت عمر اور حضرت معاذ چند صحابہ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے کہ یا رسول اللہ شراب کے بارے میں فرمائیے اس لئے کہ وہ عقل کو تباہ و برباد کرنے والی شے ہے۔" (ص۱۹۳)

اور "معالم التنزیل للبغوی" میں ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے شراب کے سلسلہ میں چار آیات نازل کیں سب سے پہلے مکہ میں ومن ثمرات النخیل۔ الخ والی آیت نازل ہوئی تو مسلمان جن کے لئے اس وقت شراب کا استعمال مباح تھا پیتے رہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شراب کے متعلق دریافت کیا۔ اس پر آیت یسئلونک عن الخمر والمیسر۔ نازل ہوئی ایک جماعت نے "اثم کبیر" کے الفاظ کو سن کر مے نوشی ترک کر دی اور بہت سے لوگوں نے "منافع للناس" کے الفاظ پر نظر رکھتے ہوئے استعمال جاری رکھا تا آنکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دعوت اور شراب کا بھی انتظام کیا بعض صحابہؓ نے زیادہ مقدار میں شراب پی جس کی وجہ سے نشہ زیادہ ہوگیا۔ اسی دوران میں مغرب کی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو نماز پڑھنے کے لئے آگے بڑھا دیا۔ امام نے قل یا ایھا الکافرون اعبد ما تعبدون۔ اسی طرح پوری سورت "لا" کے حذف کے ساتھ قرادت کی جس پر یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ۔ نازل ہوئی۔

اس کے بعد نشہ نماز کے دوران میں حرام ہوگیا۔ ایک جماعت یہ کہتے ہوئے کہ ایسی چیز میں کوئی نفع نہیں، جو ہمارے اور ہماری نماز کے درمیان حائل ہو، شرب خمر سے تائب ہوگئی۔ اور ایک بڑی جماعت نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتی رہی اس طرح کہ عشاء کے بعد پیتے تو صبح تک نشہ زائل ہو چکا ہوتا اور فجر کے بعد دور چلتا تو ظہر تک سکر ختم ہو جاتا اسی دوران میں "عتبان بن مالک" نے ایک دعوت کا انتظام کیا چند مسلمانوں کے ساتھ حضرت سعد بن وقاص بھی دعوت پر یاد کئے گئے تھے۔ اونٹ کا سر بھونا گیا خوب سیر ہو کر کھایا اور شراب کے نشہ میں وصت ہوگئے حسب عادت گانے بجانے کا بھی انتظام تھا۔ تفاخر کے مضمون پر مشتمل اشعار پڑھے جانے لگے حضرت سعد نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار کی ہجو کی گئی تھی اور اپنی قوم کی تعریف، اس پر ایک انصار نے اونٹ کا جبڑا اٹھا کر حضرت سعد کے سر میں مارا جس سے ان کا سر زخمی ہوگیا، سعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر شکایت کرنے لگے (آپ کے شکوہ و شکایت اور پیش آئے ہوئے واقعہ کی تفصیل کو سن کر) ایک شخص نے کہا: اللھم بین لنا بیانا شافیاً (مائدہ) والی آیت اسی وقت نازل ہوئی۔ (صفحہ ۱۵ جلد ۱)

تحریم خمر کا تدریجی نزول | قرآن انسانی طبائع کی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر حکیمانہ انداز میں بتدریج رہنمائی کرتا ہے۔ یہاں پر بھی اپنی اسی خصوصیت اور حکیمانہ ادا کو ملحوظ رکھا گیا یہ وہ کے حکم میں تدریجی رفتار حضرت

معاذ کو اسلام کی دعوت دینے میں تدریجاً اقدام کا مشورہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا ارشاد کہ اگر تیری قوم قریب بعہد اسلام نہ ہوتی تو میں خانہ کعبہ کی تعمیر از سر نو بنائے ابراہیمی پر اٹھاتا، اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قرآن و اسلام، عادت و ماحول کو بدلنے کے لئے تدریجی رفتار کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ بھلا سوچنے کی بات ہے کہ وہی عرب جس کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی، جن کی محفل رندی و مستی کی گرمی شراب سے تھی بلکہ غذا ہی شراب کو بنا لیا گیا تھا۔ اگر ان کو دفعۃً ترک شراب کے لئے مجبور کیا جاتا تو خوگر طبیعتیں اس حکم کا اس شدت کے ساتھ مقابلہ کرتیں کہ اسلام بھی "انسداد مے نوشی" کی جدوجہد میں اسی طرح ناکام ہو جاتا جس طرح پوری دنیا اس کوشش میں ناکام رہی۔ پس بلاشبہ یہ بھی انسانیت پر اسلام کا عظیم الشان احسان ہے کہ ترک شراب کے لئے اس حکیمانہ طریقہ کو اختیار کر کے انسانوں کو اس پر کیف زہر سے بچانے کی کوشش کی اور بجائے اس کے کہ خوگر طبیعتیں آمادہ بغاوت ہوں، تسلیم و انقیاد پر مجبور ہو گئیں قرطبی نے لکھا ہے کہ:

خدا تعالیٰ نے کرامت و شرافت میں سے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو اس امت کو نہ دی ہو۔ اور یہ بھی اسلام کا زبردست احسان ہے کہ تشریعات دفعۃً نہیں ہوئیں بلکہ تدریجاً احکام کا مکلف بنایا گیا۔ تحریم شراب کے سلسلہ میں بھی اسلام نے اپنی اس حکیمانہ ادا کو باقی رکھا۔

ان اللہ لم یدع شیئاً من الکرامۃ والبر الا اعطاھذہ الامۃ ومن کرامتہ واحسانہ انہ لم یوجب علیھم الشرائع دفعۃً واحدۃً ولکن اوجب علیھم مرۃ بعد مرۃ فکذالک تحریم الخمر۔"

(ص ۵۲ قرطبی جلد ۳)

خازن نے بھی اس موقع پر لکھا ہے کہ:

"خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ قوم عرب شراب کی زبردست عادی ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ لہٰذا اگر ان کو دفعۃً روکا گیا تو یہ ان پر سب سے زیادہ شاق حکم ہوگا۔ اس لئے اس تدریج و نرمی کو اختیار کیا گیا۔"

بہر حال قرآن مجید نے سوال و استفسار پر شراب، کے متعلق جو بیانات شروع کئے ان کا حقیقی آغاز یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما سے ہوتا ہے۔ اس لئے مقالہ نگار اسی آیت قدسیہ سے ابتداء کرتا ہے۔" اور غالباً انہیں چند کلمات

کی تفسیر و تشریح پر مقالہ کا اختتام بھی ہو۔

اثم کبیر | سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک میں "اثم کبیر" سے کیا مراد ہے۔ اس کی تشریح و تفسیر میں جہاں تک میں جانتا ہوں مفسرین کے اقوال تقریباً یکساں ہیں، جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوگا "خازن" میں ہے کہ:

اثم کبیر یعنی شدید ترین گناہ، اور یہ بھی	وزر عظیم وقیل ان الخمر
کہا گیا ہے کہ شراب عقل کی دشمن ہے جب	عدو للعقل فاذا اغلبت علی
وہ اس جوہر پر غالب آئے گی تو مسلوب العقل	عقل الانسان ارتکب کل قبیح
انسان ہر گناہ کر سکتا ہے اور سینکڑوں	ففی ذلک آثام کبیرۃ۔
گناہ چھوٹے بڑے اس سے سرزد ہو سکتے ہیں۔۔۔	(صفحہ ۱۵۰ جلد ۱)

تفسیر طبری میں ہے کہ:

"زوال عقل الشارب اذا سکر من شربہ حتی یعزب عنہ معرفۃ ربہ وذلک اعظم الآثام" (صفحہ ۲۰۲ جلد ۲)

طبری ہی نے ایک دوسرے موقع پر اثم کبیر کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"یہ اس وجہ سے کہ جبکہ وہ شراب پی لیتے تھے اور نشہ میں وحشت ہو جاتے تو ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے اور آپس میں خونریزیاں ہوتیں۔" (ایضاً)

ابن جریر کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اثم کبیر کے الفاظ استعمال کر کے یہی بتلانا چاہا ہے کہ پینے والے نشہ میں وحشت ہو کر جن باہمی آویزشوں بلکہ خونریزیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ اثم کبیر اور ایک بڑے گناہ سے کم نہیں۔ اور قاضی پانی پتی اس ٹکڑے کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ:

"شراب بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کو مستلزم ہے۔ مثلاً جھگڑا، گالم گلوچ، عداوت و بغض، ذکر اللہ سے غفلت۔" (صفحہ ۲۹۹ مظہری)

علامہ آلوسی زادہ نے اسی حقیقت کو عام فہم بناتے ہوئے بالکل معقول بات کہی ہے کہ:

"کچھ نہیں تو کم از کم شراب نوشی میں ترک امور اور ممنوعہ شے کا استعمال یقینی ہے۔"

(صفحہ ۱۱۴ روح المعانی جلد ۱)

اثم کبیر کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ کہا گیا ہے۔ بتایا جائے کہ یہ تمام متعدی اور غیر متعدی جرائم جو مے پرستوں سے عموماً صادر ہوتے رہتے ہیں کیا ان میں سے ہر ایک اخلاقی زندگی، معاشی ماحول اور

معاشرہ کی نظر میں معیوب و مکروہ جرم نہیں ہے؟ عام اخلاقی سطح پر آکر بھی اگر سوچا جائے تو جدل و جدال، گالم گلوچ، فحش گوئی، بغض و عداوت، یہ تمام اخلاقی زندگی کے وہ روگ اور امراض ہیں جن سے پورا معاشرہ بیزار رہتا ہے اور صدّ عن ذکر اللہ۔ یعنی "اللہ سے غفلت" تو اسلامی و ایمانی زندگی کے لئے طاعون سے زیادہ مہلک بیماری اور اسلام و ایمان کے لئے ہلاکت عظیم ہے۔ غالباً اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مومن۔" (رواہ البخاری)

یعنی پینے کے وقت میں اور اس حرام نشہ کو استعمال کرنے کے اوقات میں مومن، ایمان کے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے قلب سے ان ایمانی تجلیات کو رخصت کر دیا جاتا ہے جن کے ہوتے ہوئے حرام و حلال کی تمیز کی جاسکتی تھی، ظاہر ہے کہ ایمان کے ادنیٰ حقوق کی ادائیگی کا خیال بھی اگر باقی ہو تو کم از کم حرام اشیاء کے استعمال پر جرأت ناممکن ہے۔ بہرحال اجمالی طور پر تو شراب کی قباحتیں، اثم کبیر کی تشریح و تفصیلات سے ہی ذہن نشین ہو سکتی ہیں۔ لیکن انہیں قباحتوں اور تباہ کاریوں کی تفصیل مستقل عنوانات کے تحت آگے آتی ہے۔ لیکن "منافع للناس" کے مجمل الفاظ سے فائدہ اٹھا کر مے نوشی کرنے والوں کا جو طبقہ آج بھی موجود ہے ان کے واہی اور رکیک خیالات کی تردید کے لئے ضروری ہے کہ منافع للناس کے متعلق بھی بتایا جائے کہ خداوند تعالیٰ کی اس سے کیا مراد ہو سکتی ہے۔

شراب کے جو فوائد گنائے جاتے ہیں اور انہیں "منافع للناس" کا مصداق قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں خود فرزندان یورپ کے اقوال یہ ہیں:

انگریز ڈاکٹر جونسن نے ان فوائد کو جو شراب کے بیان کئے جاتے ہیں۔ یعنی اس میں غذائیت ہے، جسم کی محافظ ہے، معدہ کو تقویت دیتی ہے، رنگ کو گورا چٹا کرتی ہے۔ زہر ہلاہل کی دوسری تعبیریں قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ:

"یہ فوائد جو شمار کرائے گئے ہیں۔ فوائد نہیں بلکہ اس زہر ہلاہل کے دوسرے نام ہیں"

(طنطاوی ص۱۹)

ازالہ امراض کے لئے اس پرکیف زہر کا استعمال کیا مفید ہو سکتا ہے۔؟ اسی سوال کے جواب میں ڈاکٹر ہنری مارٹس "لکھتا ہے کہ:

"شراب کسی مرض کے لئے بھی مفید نہیں اور نہ وہ صحت جسمانی کے لئے کارآمد۔" (ایضاً)

اسکاٹ لینڈ کا مشہور و معروف "طب" ڈاکٹر لکھتا ہے کہ:

"شراب کسی مرض کی دوا نہیں۔" (ایضاً)

جمعیۃ برطانیہ کا صدر ڈاکٹر ہیجنو ٹوم نے کہا ہے کہ :

"ہم کسی ایسی بیماری کو نہیں جانتے جس کے ازالہ کے لئے شراب مفید ہو" (ایضاً)

امریکہ کا ایک ڈاکٹر اپنے طویل تجربات کے بعد اعتراف کرتا ہے کہ :

"شراب کے ذریعہ سے اگر علاج کیا جائے گا تو ایسے امراض پیدا ہوں گے جو اس وقت تک نہ تھے۔ اس جام زہر سے علاج و معالجہ طباً بھی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس میں ادنیٰ ترین فائدہ۔"

متحدہ امریکہ کا ایک دوسرا ڈاکٹر "کیملوج" اعلان کرنے پر مجبور ہے کہ :

"شراب سے امراض کا معالجہ بہت جلد روکنا چاہئے۔ کیونکہ یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ اسکی حرارت جسم کو اتنا شدید نقصان پہنچاتی ہے جس نقصان کے مقابلہ میں وقتی صحت کی کوئی قیمت نہیں، آنتوں اور معدہ کو پھونک دینے والی شے ہے۔"

بعض انگریز معالج و یورپین ڈاکٹروں نے تو شراب کی مضرتوں پر ضخیم تصانیف اپنے قلم سے تیار کی ہیں۔ "طنطاوی" نے لکھا ہے کہ میں نے ایک انگریز مصنف کی "کتاب الید فی الطب"...... کا مطالعہ کیا تو اس انگریز صاحب قلم نے اپنی تصنیف کا معتد بہ حصہ شراب کی مضرتوں پر صرف کیا اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی روشنی میں "آتش سیال" کی تباہ کاریاں ثابت کی ہیں۔

محققینِ مغرب کی ان کھلی شہادتوں کے بعد غالباً محققین علماء اسلام کی یہ رائے بار خاطر نہ ہو گی کہ "منافع للناس" سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف شراب کے تجارتی منافع ہیں ---- علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

"منافع شراب صرف یہی تھے کہ وہ شام سے شراب لاتے تھے اور حجاز میں بڑے نفع کے ساتھ فروخت کرتے ---- پینے والے باوجود اس گراں قیمتی کے لیے اور استعمال کرتے، شراب کے منافع جو کچھ بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں صحیح قول یہی ہے۔" (قرطبی ص۵۸)

اسی طرح ابن عربی نے بھی اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "احکام القرآن" میں منافع للناس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

صحیح یہ ہے کہ منفعت سے مراد تجارتی نفع ہے۔ کیونکہ اہل حجاز شام کے علاقہ سے شراب سستے داموں پر لاتے اور حجاز میں بڑے نفع سے بیچتے تھے۔	الصحیح ان المنفعۃ هی الربح لانهم کانوا یجلبونها من الشام برخص فیبیعونها فی الحجاز بربح کبیر۔ (ص۹۳ جلد ۱)

یوں بھی اگر غور کیجئے تو قرآن حکیم کی بے کراں حکمت اور خدا کے اس آخری کلام کے مزاج کے سراسر خلاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس "ام الخبائث" کی کسی بھی ایسی منفعت کو تسلیم کرے جس سے اس پرکیف زہر کو استعمال کرنے کی راہ نکلتی ہو۔ دیکھنے والے اگر غور سے جائزہ لیں اور سوچنے کے وقت میں اپنی عقل و ہوش، حواس و ادراک کو سمیٹ کر یکسوئی و انصاف کے ساتھ سوچ سکیں تو معلوم ہو سکے گا کہ مے نوشی میں منافع نہیں بلکہ مضرت عظیم ہے۔ شدید نقصانات ہیں جس کو بادہ پرستوں اور بلانوشوں کی بوالہوسی نے منافع کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ میں اس موقع پر اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے یورپ کے مشہور اور نامور ڈاکٹروں کے اقوال بھی پیش کروں گا۔ اور حکماء اسلام کی آرا بھی انشاء اللہ میری تائید میں ہوں گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے چودہ سو سال قبل شراب کی مضرتوں پر جو کچھ کہا آج اسی کی تصدیق کر رہی ہے اور زندگی کے بہت سے نشیب و فراز پر اسلام کی اضطراراً تصدیق کرنے والی دنیا کیا عجیب ہے کہ آئندہ مستقبل قریب یا بعید میں اسلام کی پیش کی ہوئی تمام ہی حقائق پر یقین و ایمان لے آئے۔ عقلی تقاضوں کے مطابق تعلیمات کو تسلیم کرنے سے آخر کب تک گریز و انحراف کیا جاتا رہے گا۔

زوال عقل | شراب کا سب سے پہلا اور طاقتور حملہ خداوند تعالیٰ کی دی ہوئی اس قوت پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانتا تھا، اس کے حقوق کی ادائیگی کر سکتا تھا۔ بلکہ اچھے اور برے، حرام و حلال اور مناسب و غیر مناسب کی تمیز و امتیاز ہی سلب ہو جاتا ہے۔

طبرانی نے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"شراب ام الفواحش و اکبر الکبائر ہے اور جو شخص شراب پئے گا۔ نماز بھی چھوڑ دے گا۔ اور اپنی ماں، خالہ، پھوپھی، سب سے حرام کاری کے لئے آمادہ ہوگا۔"

عقل جیسی قیمتی اور کارآمد جوہر کے زوال و انعدام پر جو کچھ خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ آپؐ نے دوسرے مؤثر عنوانات سے بھی سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ:

"شراب سے قطعاً پرہیز کرو تم سے پہلے ایک عابد و زاہد تھا۔ اس سے ایک فاحشہ و بدکار عورت کی ملاقات ہوئی تو اس نے اپنے باندی کے ذریعہ زاہد و عابد کو بلا بھیجا اور کہا کہ صرف ایک شہادت کے سلسلہ میں آپ کی ضرورت ہے یہ شخص اس باندی کے ہمراہ چلا جب دروازے سے گھر میں داخل ہوا تو پیچھے لونڈی ہر دروازہ بند کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک حسین و جمیل عورت کے سامنے سے جا کر کھڑا کر دیا گیا جس کے پاس ایک لڑکا اور ایک برتن میں شراب رکھی ہوئی تھی، عورت اس شخص سے بولی کہ میں نے تم کو شہادت کے لئے خدا کی قسم طلب نہیں کیا بلکہ میں نے تو اس لئے بلایا ہے۔ کہ تم یا تو مجھ سے حرام کاری

کر دیا شراب پی لو یا پھر اس لڑکے کو قتل کر دو اس زاہد و عابد نے شراب طلب کی ایک جام دیا گیا تو مزید طلب کی پئے بہ پئے پلائی گئی۔ یہاں تک کہ نشہ میں دھت ہوگیا۔ پھر عورت کے ساتھ زنا بھی کیا اور معصوم بچے کو قتل بھی کر دیا، اور وہ سب کچھ کیا جو وہ بد کردار چاہتی تھی۔ پس تم شراب سے بچو خدا کی قسم ایمان اور مے نوشی دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ جب بھی ان میں سے ایک آئیگا دوسرے کو باہر نکال کھڑا کرے گا۔" (قرطبی ص۵۶)

اس طویل حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حقیقت ذہن نشین کرانا چاہی ہے۔ کہ مے نوشی سے زوال عقل کے بعد وہ سب کچھ ممکن بلکہ متوقع ہے جس کا ارتکاب اخلاقی اقدار اور عام انسانی نقطۂ نظر سے بھی معیوب و مکروہ ہے، زاہد و عابد سے جتنے حرام افعال، ظالمانہ صادر ہوئیں وہ سب شراب نوشی کا نتیجہ تھیں۔ حالانکہ وہ زنا اور قتل کے مقابلہ میں اس ام الفواحش کے تلخ گھونٹ کو اہون سمجھا تھا، امام فخر رازی نے اپنے خاص انداز میں "عقل" کی ضرورت و اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ :

"عقل انسانی قوتوں میں سب سے زیادہ ضروری اور مفید قوت ہے اور شراب اسی کی دشمن ہے جو چیز سب سے زیادہ دقیع اور اہم شے کی دشمن ہو وہ سب سے اخس اور قابل نفرت ہونی چاہئے۔ اس لئے مے نوشی ذلیل ترین عادت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ عقل کو عقل صرف اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو ان اوقات میں جب وہ بری باتوں اور ناجائز و حرام افعال کے ارتکاب پر آمادہ ہوگا۔ تو اس کو قبیح اقدام سے روک دے گی، اور شراب پینے کے بعد طبیعت فواحش و لغویات کی جانب تحریک و ترغیب کرے گی اور روکنے والی چیز نہ ہوگی کیونکہ شراب پی کر عقل کو تو ختم ہی کر دیا گیا اب زوال عقل کے بعد کیا کیا پیش آئے گا۔ اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔" (تفسیر کبیر ص۱۵)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

"شراب کا مفسدہ "تہذیب نفس" کے سلسلہ میں یہ ہے کہ مے نوش حالت بہیمیہ کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، عقل زائل ہو چکی ہوتی ہے جس سے وہ اچھے کام کرتا تھا۔

(حجۃ اللہ ص۱۲۲ جلد ۱)

بعض مے کشوں کو شراب نوشی کے بعد جن عبرت انگیز حالتوں میں پایا گیا اس کے متعلق "ابن ابی الدنیا" نے اپنا ایک چشم دید واقعہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ :

"میں ایک شرابی کے قریب سے گذرا تو وہ اپنے ہاتھوں میں پیشاب لیکر اپنے چہرہ

پر ڈالتے ہوئے کہتا تھا کہ ہر تعریف و ستائش کا مستحق وہی ہے جس نے اسلام کو نور اور پانی کو پاک اور صاف بنایا ہے۔"

اسی طرح ایک دوسرے شرابی کو دیکھا گیا کہ :

"نشہ میں کتا اس کا منہ چاٹ رہا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ خداوند تعالیٰ تیرا اکرام کرے اور تجھ کو اعزاز دے۔"

واقعہ یہ ہے کہ مے نوشی کے بعد پیش آنے والے یہ وہ عبرت خیز احوال ہیں جن سے پناہ طلب کرنا چاہیئے۔ زوال عقل شراب کا وہ سب سے کامیاب اور پہلا حملہ ہے۔ جو عام طور پہ بادہ پرستوں پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، ابن حزم حکیم عرب نے کیا خوب بات کہی ہے کہ :

"ہم نے تو دیکھا نہیں کہ فاسد و بگڑ جانے کے بعد کوئی قوت اپنی صحیح حالت پر لوٹ کر آئی ہو پھر "عقل" جس پر پینے والے صبح و شام پی کر فساد و اختلال لاتے ہیں۔ اس کی صحت کا کیا امکان رہ جاتا ہے۔" (الخمر والحیوٰۃ صـ۱۲)

اس جوہر مفید کو اپنے ہاتھوں دیدہ و دانستہ ضائع کرنے والے غلط کار لوگوں کی قابل رحم حالت کا ماتم کرتے ہوئے ایک دانشمند نے کہا ہے کہ :

"بڑا تعجب ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے اپنے دشمن کو منہ میں داخل کرتا ہے۔ وہ دشمن اس کی عقل کو چرا لیتا ہے اور اس احمق بے گانہ عقل کو چھوڑ دیتا ہے تاکہ عقل کے بغیر یہ اپنی شقاوت و بدبختی کے تمام مراحل طے کرلے۔" (ایضاً)

زوال عقل کے عبرتناک نتائج | ابن ابی الدنیا کا چشم دید واقعہ اور شرابی اور کتے کا قصہ زوال عقل کے بعد پیش آنے والے حالات کی کتنی صحیح تصویر ہے۔ لیکن یہ بھی دیکھئے کہ عقل کے ماؤف و معطل ہو جانے کی صورت میں شراب نوش خود کو کن خطرات و مہالک میں بے تکلف ڈال دیتا ہے اور اس طرح اس کی جان ہر لمحہ کس قدر غیر محفوظ ہو کر رہ جاتی ہے۔ دور حاضر کے ایک شاعر سید عبدالحمید عدم کے متعلق ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ :

"ایک شام عدم صاحب تشریف لائے ان کے ساتھ الطاف مشہدی بھی تھے۔ دور چلا شراب ختم ہوئی تو الطاف مشہدی کے کہنے پہ عدم صاحب ان کے ساتھ تلاش شراب میں نکل کھڑے ہوئے ان کے جانے کے بعد کچھ دیر تک تو میں نے

انتظار کیا پھر میں سو رہا۔ صبح سویرے اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عدم صاحب نشہ میں دھت چلے آرہے ہیں، منہ سوجا ہوا، گلوں پر نیلے نیلے داغ، پتلون پھٹی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا حضرت کیا معاملہ ہے۔؟ الطاف کہاں چلا گیا۔ لیکن کیونکہ نشہ بہت تھا کوئی معقول جواب نہیں دیا اور لیٹ گئے۔ میں نے ان دنوں سکریٹریٹ میں عارضی طور پہ ملازمت کر لی تھی میں دفتر جانے کی تیاری کر چکا تو تائب صاحب آگئے۔ اتنے میں عدم صاحب جاگے اور زور زور سے رونا شروع کر دیا کہ حضور میں مرگیا۔ حضور میں وفات پا جاؤں گا۔ تائب صاحب اور میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت کو بہت سی چوٹیں آئیں ہوئی ہیں۔ خیر بڑی مشکل سے گھر پہنچایا۔ چند روز بستر میں رہے کوئی دوا وغیرہ استعمال کرنے کے بجائے پانچ روز مسلسل صبح و شام ٹھرّا پیا اور ٹھیک ہونے پہ بتایا کہ حضور اس رات الطاف مشہدی کے ساتھ انارکلی میں سکھوں کے ایک ہوٹل میں شراب کی جستجو میں جا پہنچے سکھوں سے کسی بات پر تو تو میں میں ہو گئی تو میں نے ہوٹل کی بالکونی سے جان بچانے کی غرض سے چھلانگ لگا دی۔" (نقوش شخصیات نمبر ۲ ص ۱۱۴۱)

جان بچانے کے لئے بالکونی سے کودا جا رہا تھا۔ نشہ کی زد میں آئی ہوئی عقل اب بھی کس درجہ بھٹکی ہوئی ہے۔ واقعہ کی اس بھیانک تفصیل سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ شرابی عموماً اپنے آپ کو کن پُرخطر اقدامات پر مجبور پاتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

مولانا عبدالشکور ترمذی ساہیوال ضلع سرگودھا

تلخیص و انتخاب از ترجمان السنۃ

قسط ۴

مقامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب و سنت کی روشنی میں

خواہشات نفس سے پاکیزگی اور خطرات کی اس عصمت کی وجہ سے وہ عالم کیلئے مجسم نمونہ عمل بنتے ہیں، اور وہ جو بھی کہہ دیتے ہیں سب خواہشات نفس سے پاک اور جو کرتے ہیں وہ سب نیکی ہی نیکی ہوتی۔ اس لئے ان کی ہستی آنکھ بند کر کے اتباع کے قابل ہوتی ہے اور کسی کو ان پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، (ہر قوم کے لئے اپنے پیشوا نمونہ ہوتے ہیں۔) تمہارے لئے بہترین نمونہ خدا کا یہ رسول ہے۔"

احترامِ رسول | اتباع کے ساتھ امت پر رسول کا احترام اتنا واجب ہوتا ہے کہ اس کے سامنے آگے بڑھ کر کوئی بات کہنا ممنوع ہوتا ہے۔ یاایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ۔ اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کے سامنے اونچی آواز سے بولنا اس کو عام انسانوں کی طرح آوازیں دینا حبط عمل کا موجب ہو سکتا ہے، پڑھئے آیات ذیل:

۱۔ یاایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض، ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے۔ اور اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے ایک دوسرے کے سامنے تڑخ کر بولا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

۲۔ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔

رسول کو آپس میں اس طرح مت پکارو جیسا ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

۳- ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون۔ | جو لوگ آپ کو دیوار کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا جب عمل کو ضائع کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔ تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمال ضائع کیے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔

اطاعت رسول | رسولؐ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ ارشاد ہے۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جو رسول کا کہنا مانے اس نے خدا ہی کا کہنا مانا ---- آیات بالا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی حیثیت کا علم ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت مطاع اور لازم الاتباع ہے۔ اور اس کی اطاعت خدا تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے اس لئے کہ خدا تعالے نے اس کا ذمہ لیا ہے کہ رسولؐ جو پڑھ کر سنائیں گے پھر اس کی جو مراد بیان کریں گے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی، جو کلمہ زبان سے نکالیں گے وہ خواہشات نفس سے قطعاً پاک ہوگا۔ قرآن میں جو راستہ دیں گے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہوگی یہاں تک کہ ان کے دل میں جو خطرات بھی گذریں گے وہ بھی قدرت کی حفاظت کے نیچے رہیں گے۔

اس کے بعد یہ حق کس کو ہو سکتا ہے۔ کہ وہ رسول کے کلام میں اپنی جانب سے یہ تفریق پیدا کر دے کہ جو اس نے قرآن کہہ کر سنایا ہے وہ تو واجب الاطاعت ہے۔ لیکن جو اس نے اس کی مراد بتلائی یا اس نے خود فرمایا وہ واجب الاطاعت نہیں بلکہ اس کو شرعی کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں۔

رسول بذات خود ایک شرعی منصب ہے، وہ آتے ہی اس لئے ہیں کہ دنیا کو ہدایت اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہ دکھلائیں؛ اس لئے اس بارہ میں وہ جو کہتے ہیں وہ سب رب العزت کی رسالت کی حیثیت سے کہتے ہیں، جو پہنچاتے ہیں وہ خدا ہی کا حکم ہوتا ہے۔ اگر قرآن کریم پہنچانا رسالت میں داخل ہے تو اس کی مراد بیان کرنا اس کی تفصیلات سمجھانا، یا دین کے بارہ میں اپنی ہی جانب سے قرآنی آیات کے ماتحت کچھ اور احکام صادر کرنا رسالت کا جزء کیوں نہیں۔

منکرین حدیث کے عقیدہ پر تبصرہ | قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں بھی اس طرف سے کوئی معمولی سا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ رسول کی یہ تمام صفات قرآن کے ساتھ خاص ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ دین کے معاملہ میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے تو اس کی حفاظت نہیں کی جاتی اور اس میں

خواہش نفس کا دخل ہونے لگتا ہے۔ اور اس وقت اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں رہتی (العیاذ باللہ)

اب ایک طرف آپ ان آیات قرآنیہ کو پڑھئے، دوسری طرف منکرین حدیث کا یہ مذکورہ عقیدہ دیکھئے کہ صرف قرآن سنا کر رسالت کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے اعتقاد پر قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ لینے کے بعد اب وہ اور ہم (نعوذ باللہ) برابر ہیں جیسا وہ قرآن سمجھتے ہیں ہم بھی سمجھ لیتے ہیں، دین کے معاملات میں ان کی رائے کا وزن وہی ہے جو ہماری رائے کا۔ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ رسول اپنی زندگی کے طویل وعریض عرصات میں بہت ہی مختصر لمحات کے لئے منصب رسالت پر مامور ہوتا ہے۔ بقیہ زندگی میں اس کی حیثیت پھر وہی ہو جاتی ہے جو عام انسانوں کی ہے۔ لیکن ان آیات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ رسول کیلئے اتباع اور اطاعت کا حق اور اس کے یہ آداب و عظمتیں کسی وقت کے ساتھ خاص ہیں بلکہ اس کا جو احترام تبلیغ قرآن کے وقت واجب ہے وہی تدبیر سیاست اور فصل خصومات اور امامت کے دوسرے نظم و نسق کے وقت واجب ہوتا ہے۔ پس جب اس کا احترام ہمہ وقت واجب ہے تو یہی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمہ وقت رسول ہے اور جب ہمہ وقت رسول ہے تو دین کے معاملہ میں اس کا جو حکم ہے وہ ہمہ وقت واجب الاطاعت ہے۔

قرآن کریم میں رسول کی اطاعت۔ رسول کی اطاعت مستقل حیثیت سے بھی واجب ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔

فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں حکم کے مالک ہوں (یعنی حکام وغیرہ) پھر اگر تم کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اسے خدا اور رسول کے سامنے پیش کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتیں واجب فرمائی ہیں، دو مستقل اور ایک غیر مستقل۔ اللہ اور رسول کی اطاعت تو مستقل واجب کی گئی ہے اور اولو الامر کی تیسری اطاعت ان دونوں اطاعتوں کے ماتحت درج کر دی گئی ہے۔ اسی لئے پہلی دو اطاعتوں کے ساتھ لفظ اطیعوا (فرمانبرداری کرو) مکرر استعمال ہوا ہے اور تیسری اطاعت کے ساتھ جداگانہ امر نہیں فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں رسول کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت کی طرح ایک مستقل حیثیت بھی رکھتی ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اولو الامر کی اطاعت ان اطاعتوں کی طرح مستقل حیثیت نہیں

یہی وجہ ہے کہ تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے حکم کے بعد صحابہؓ نے کبھی آپ سے اس پر قرآن سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہو۔ اس کے برخلاف اماموں کو ہمیشہ اپنی اطاعت کے لئے قرآن وحدیث کے پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ ان کو اپنے قول سے رجوع بھی کرنا پڑتا ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآنی امر میں تشریعی حیثیت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں ہے اس لئے یہاں رسول کی اطاعت بھی صرف تشریعی حیثیت سے واجب ہوگی نہ کسی اور حیثیت سے۔

اطاعت رسول کے مستقل ہونے کا مطلب | یہ ہے کہ آپ کا ہر حکم ماننا چاہئے خواہ اس کی اصل ہمیں قرآن میں معلوم ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض سنتوں کی اصل قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رسول کی اطاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف ہی نہیں بنایا کہ اس کی اصل کتاب اللہ میں تلاش کی جائے اور اولوالامر کی اطاعت اسطرح واجب نہیں ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہے اس لئے جب تک وہ احکام خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق حکم دیں۔ ان کی اطاعت کی جائے گی اور جب ان کا خلاف کریں واجب الاطاعت نہ رہیں گے۔ صحیح حدیث میں ہے: لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے۔ انما الطاعة فی المعروف، اطاعت صرف نیکی میں کرنی چاہئے۔

اس بیان سے اطاعت رسول کے مستقل اور اولوالامر کی اطاعت کے غیر مستقل ہونے کا مفہوم واضح ہو گیا۔ اگر رسول کی اطاعت صرف ان احکام تک ہی محدود رہے جو قرآن کریم میں بھی صاف صاف موجود ہیں تو پھر واطیعوا الرسول۔ کی آیت کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) کی آیت یہ چاہتی ہے کہ خدا کے نزدیک رسول کی اطاعت بھی ایک مستقل اطاعت ہے۔

منکرین حدیث کو مغالطہ | یہاں منکرین حدیث کو بڑا مغالطہ یہ ہو گیا ہے کہ وہ دو اطاعتوں کی وجہ سے یہ سمجھ گئے ہیں کہ مطاع بھی دو بن گئے۔ اس لئے یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دو اطاعتوں کے واجب ہونے کی وجہ سے مطاع دو نہیں بنتے۔ دراصل مطاع دونوں جگہ خدا ہی کی ذات رہتی ہے۔ رسول کی اطاعت میں یہ سمجھنا کہ مطاع خدا کی ذات پاک نہیں ہوتی۔ بڑی غلط فہمی اور قرآن کریم سے ناواقفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی اطاعت کی۔ گویا رسول کی اطاعت کی صورت میں بھی مطاع خدا ہی کی ذات رہتی

ہے۔ پس اطاعت کے تعدد سے مطاع میں تعدد نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا بیان اس لحاظ سے کہ اس تفصیل سے قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوتا۔ ایک مستقل حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس اعتبار سے یہاں مطاع بظاہر رسول کی ذات معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ تمام تفصیل بعینہٖ قرآن کے اجمال کی مراد ہوتی ہے تو اس کی حیثیت کوئی مستقل حیثیت نہیں رہتی اور یہاں بھی اصل مطاع خدا ہی کی ذات ہو جاتی ہے۔ اس لئے احادیثِ رسول پر عمل کرنے والا بلحاظ بیان تو رسول کا مطیع کہلاتا ہے۔ اور بلحاظ مراد خدا ہی کا مطیع ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والا خدا کے الفاظ پر بھی عمل کرتا ہے اور حدیث پر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی مراد پر عمل کرتا ہے۔ اس بنا پر اطاعتیں اگرچہ دو نظر آتی ہیں۔ مگر مطاع درحقیقت ایک ہی رہتا ہے۔

پیچیدہ مسئلہ کا حل

درحقیقت یہ مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ ایک طرف اسلام کی نازک توحید خدا ہی کی اطاعت اور اسی کی محبت کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ اپنے رسولؐ کی محبت و اطاعت کا بھی حکم دیتی ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ نسبتِ رسالت کے بعد رسولؐ کی ہستی درمیان میں صرف واسطہ ہوتی ہے۔ پھر اس کی اطاعت و محبت خدا ہی کی محبت و اطاعت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ یعنی اصل حکم برداری تو خدا ہی کی چاہیئے۔ ظاہری سطح میں رسول کی اطاعت گو اس کے خلاف نظر آئے، مگر حقیقت میں وہ خدا ہی کی حکم برداری ہوتی ہے۔ بلکہ رسول کی اطاعت و محبت کے بغیر خدا کی محبت و اطاعت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

امام کی اطاعت کو بعینہٖ خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جا سکتا!

رسول کی اطاعت چونکہ خدا تعالیٰ کے بیان اور اس کی ارادۃ۔ اس کی وحی کے بعد ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو بعینہٖ خدا کی اطاعت کہا گیا ہے، امام پر نہ وحی آتی ہے، نہ خدا کی طرف سے اس کی صواب رسی کی کوئی ضمانت دی گئی، وہ جو حکم دیتا ہے اپنے صوابدید، اپنی فہم، اپنے علم کے مطابق دیتا ہے۔ اس لئے امام کی اطاعت کو بعینہٖ خدا اور رسول کی اطاعت کہنا بھی غلط ہے۔ اور اس لئے منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے قرآن میں امامِ وقت کی اطاعت مراد لی گئی ہے۔ سب سے بڑھ کر قرآن کریم کی تحریف ہے۔

اس کے علاوہ امام سے ہر امام مراد ہو تو فاسق امام کی اطاعت کو بھی اللہ و رسول کی اطاعت کہا جا سکے گا۔ اور اگر خاص صالح امام مراد لیا جائے۔ تو خلفاءِ راشدین کے بعد تیرہ سو سال میں خدا و

رسول کی اطاعت کا مصداق ہی شاذ و نادر ہوگا۔ پھر جس دور میں مسلمانوں کا کوئی امام ہی نہ رہے اس
میں لازم آئے گا کہ خدا اور رسول کی اطاعت کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے اور اطیعوا اللّٰہ
و اطیعوا الرسول کا نظام معطل پڑا رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی بیشمار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اور نجات کا راستہ صرف
اطاعت خدا اور رسول میں منحصر ہے۔ اب اگر اس اطاعت سے مراد امام کی اطاعت ہو تو یقیناً
تیرہ سو سال میں اماموں کی بڑی تعداد ایسی ہی ہے۔ جن کی اطاعت کو اللّٰہ اور رسول کی اطاعت نہیں
کہا جا سکتا۔ منکرین حدیث کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس عام دور میں مسلمانوں کے لئے راہِ نجات
و ہدایت مسدود ہو اور مسلمانوں کے پاس اپنے باہمی نزاعات رفع کرنے کی کوئی صورت ہی موجود
نہ ہو گویا دین اسلام ایک ایسا آئین ہو جس پر عمل کرنا دنیا کی طاقت سے باہر ہو۔ ■■

فہرست نتائج فضلائے دار العلوم حقانیہ بابت سال ۱۳۹۱ھ

مرتب کردہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ
۱	مولوی اعتبار گل۔ کوہاٹی	۳۴۵	وسطیٰ	۲۲	مولوی حیدر شاہ۔ بنوی	۲۴۴	ادنیٰ
۲	〃 اکبر شاہ۔ افغانستانی	۲۸۳	ادنیٰ	۲۳	〃 شبیر محمد۔ دیروی	۳۰۰	وسطیٰ
۳	〃 اختر محمد 〃	-	ناکام	۲۴	〃 خلیل الرحمان۔ پشاوری	۲۸۲	ادنیٰ
۴	〃 آزاد بخت۔ دیروی	۳۹۱	علیا	۲۵	〃 دل فراز۔ پشاوری	۳۸۴	علیا
۵	〃 اللہ داد۔ افغانستانی	۳۴۲	وسطیٰ	۲۶	〃 عبدالرحمان عرف رحمان بخاق	۳۶۲	〃
۶	〃 اجیر خان۔ دیروی		ناکام	۲۷	〃 روح الامین ولد فضل ودود	-	ناکام
۷	〃 محمد خان ڈیروی	۴۱۶	علیا	۲۸	〃 رحیم الدین۔ کوہاٹی	-	〃
۸	〃 انور شاہ کوہاٹی	۲۴۲	ضمنی بخاری	۲۹	〃 روح اللہ۔ پشاوری	۳۰۰	وسطیٰ
۹	〃 امین اللہ خوستی	۲۸۴	ادنیٰ	۳۰	〃 رحمان الدین۔ دیروی	۳۵۰	〃
۱۰	〃 بارکزئی۔ افغانستانی	۲۹۴	〃	۳۱	〃 روح الامین ولد مولوی عبدالرشید	۲۰۰	ادنیٰ
۱۱	〃 بادشاہ حضرت۔ دیروی	۳۳۵	وسطیٰ	۳۲	〃 زکریا۔ بلوچستانی	۳۹۸	علیا
۱۲	〃 پیر محمد۔ خوستی	۴۱۰	علیا	۳۳	〃 سعید خان۔ دیروی	۳۲۳	وسطیٰ
۱۳	〃 تاج محمد ولد فدا محمد پشاوری	۳۶۱	〃	۳۴	〃 سعید الحق۔ ہزاروی	۳۶۵	علیا
۱۴	〃 تاج محمد ولد حلیم گل۔ مردانی	۴۸۲	〃	۳۵	〃 سلطان محمد۔ افریدی	۳۴۸	وسطیٰ
۱۵	〃 جان محمد۔ بلوچستانی	۴۱۷	〃	۳۶	〃 سیف الرحمان پشاوری	۴۱۲	علیا
۱۶	محمد ہارون۔ چترالی	۳۸۳	〃	۳۷	〃 سید صالح۔ سواتی	۴۲۵	〃
۱۷	〃 جمعہ گل۔ سواتی	۴۲۸	〃	۳۸	〃 سلام اللہ۔ بنیروی	۳۷۶	〃
۱۸	〃 جمال خان۔ بلوچستانی	۴۰۳	〃	۳۹	〃 سعد الدین۔ ڈیروی	۴۲۷	〃
۱۹	〃 حمید اللہ۔ پشاوری	۴۲۲	〃	۴۰	〃 سعد اللہ۔ بلوچستانی	۳۶۴	〃
۲۰	〃 حمایت الرحمن۔ بنیری	۳۰۶	وسطیٰ	۴۱	〃 سید بادشاہ۔ مردانی	-	ناکام
۲۱	〃 حسین بادشاہ۔ ڈیروی	۲۸۵	ادنیٰ	۴۲	〃 سعید محمد۔ بلوچستانی	۳۸۰	علیا

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ
۴۳	مولوی شمس الرحمان - بنوی	۲۷۹	ادنیٰ	۶۷	مولوی عصمت اللہ - بلوچستانی	۳۶۷	علیا
۴۴	" شیر عالم خان "	۲۹۸	"	۶۸	" عزیز خان - افغانستانی	۴۵۶	"
۴۵	" شمس الرحمان - افغانستانی	۳۲۶	ضمنی ترمذی	۶۹	" عبدالمجید - بلوچستانی	۳۳۱	وسطیٰ
۴۶	" شاہدین - بنوی	۲۹۴	ادنیٰ	۷۰	" عنایت اللہ - ہزاروی	۳۹۴	علیا
۴۷	" شفیع اللہ - خوستی	۲۸۰	"	۷۱	" عبدالرحمان - دیروی	-	غیر حاضر
۴۸	" صفی اللہ - بنوی	۲۶۴	"	۷۲	" عزیز الرحمان - ہزاروی	۴۲۱	علیا
۴۹	" صاحبزادہ - افغانستانی	۲۸۹	"	۷۳	" عثمان جان - پشاوری	۲۷۰	ضمنی بخاری
۵۰	" عبدالوہاب - قندہاری	۳۵۱	وسطیٰ	۷۴	" عبدالرحیم - مردانی	-	ناکام
۵۱	" عبدالخالق - مردانی	-	ناکام	۷۵	" عبدالرؤف - بلوچستانی	۴۲۱	علیا
۵۲	" عبدالرؤف - بلوچستانی	۳۶۳	علیا	۷۶	" غلام حبیب - پشاوری	۳۲۶	وسطیٰ
۵۳	" عبدالحق عرف مستقیل افغانستانی	-	ناکام	۷۷	" فضل وہاب - بنیری	-	ناکام
۵۴	" علی اکبر "	۳۲۷	وسطیٰ	۷۸	" فضل کریم - مردانی	۳۲۷	وسطیٰ
۵۵	" عبداللہ - ڈیروی	۳۴۰	"	۷۹	" فضل رحمان - دیروی	-	ناکام
۵۶	" عبدالقیوم - بلوچستانی	۵۲۸	علیا	۸۰	" لباب گل - کوہاٹی	۳۶۳	ضمنی بخاری
۵۷	" عبدالسمیع - پشاوری	۴۳۵	"	۸۱	" لاجبر - باجوڑی	۲۸۶	ادنیٰ
۵۸	" عبدالغفور - افغانستانی	۳۰۲	وسطیٰ	۸۲	" محمد سعید - افغانستان	-	غیر حاضر
۵۹	" عبدالرحمان - ڈیروی	۲۹۵	ضمنی بخاری	۸۳	" مسافر خان - سواتی	-	ناکام
۶۰	" عبدالستار - بنوی	۲۲۹	ادنیٰ	۸۴	" مطیع الحق - پشاوری	۴۸۴	علیا
۶۱	" عبدالہادی - مردانی	۴۴۳	علیا	۸۵	" محمود الحسن - ڈیروی	۲۷۵	ادنیٰ
۶۲	" عبدالباقی - "	۳۱۸	وسطیٰ	۸۶	" محمد سلام "	۳۱۱	وسطیٰ
۶۳	" عبداللہ - دیروی	۳۴۴	"	۸۷	" محمد جانس - ہزاروی	۴۰۷	علیا
۶۴	" عبدالخالق "	-	ناکام	۸۸	" محمد سعید - کوہاٹی	۳۳۶	وسطیٰ
۶۵	" عمر علی - مردانی	۳۵۵	وسطیٰ	۸۹	" محمد یار - دیروی	۳۴۰	"
۶۶	" عبدالحکیم - ہزاروی	-	ناکام	۹۰	" محمد یونس - پشاوری	۲۸۶	ضمنی ترمذی

نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	نمبرات	درجہ
۹۱	مولوی محمد نادر - افغانستانی	-	ناکام	۱۰۹	مولوی نور بخش - مردانی	-	ناکام
۹۲	" محمد یعقوب ولد غلام حسن	۳۰۲	وسطیٰ	۱۱۰	" نعمت اللہ کوہاٹی	۲۷۸	ادنیٰ
۹۳	" محمد یعقوب ولد علی محمد پشاوری	۳۰۵	"	۱۱۱	" سرور شاہ - پشاوری	۲۶۲	ضمنی بخاری
۹۴	" محمد سردار - کوہاٹی	۴۵۶	علیا	۱۱۲	" محمد امین - ڈیروی	۲۴۰	ادنیٰ
۹۵	" محمد اعظم - ڈیروی	۳۰۲	وسطیٰ	۱۱۳	" نجم الدین - افغانستانی	-	ناکام
۹۶	" امیر صاحب خان بنوی	۴۵۲	علیا	۱۱۴	" سلطان سلیم - ڈیروی	۴۲۰	علیا
۹۷	" محمد اسماعیل - خوستی	۲۹۲	ادنیٰ	۱۱۵	" محمد غلام "	-	ناکام
۹۸	" محمد عاشور - افغانستانی	۳۰۷	وسطیٰ	۱۱۶	" صاحب نور کوہاٹی	۳۴۴	وسطیٰ
۹۹	" مطیع اللہ - ڈیروی	۳۵۶	"	۱۱۷	" رضوان اللہ - ڈیروی	۳۱۷	"
۱۰۰	" محمد الیاس خان - افغانستانی	۳۴۰	"	۱۱۸	" شاہ زمین "	-	ناکام
۱۰۱	" محمد امین عرف صالح - مردانی	۳۱۲	"				
۱۰۲	" نور محمد وزیرستانی	۳۲۶	"				
۱۰۳	" نظر شاہ - افغانستانی	۲۷۴	ضمنی ترمذی				
۱۰۴	" نو شیر خان - ڈیروی	۳۲۳	وسطیٰ				
۱۰۵	" نیک محمد خوستی	۲۵۸	ادنیٰ				
۱۰۶	" یار محمد ولد خان محمد قندہاری	۳۷۲	علیا				
۱۰۷	" یار محمد ولد تاج محمد - بنوی	۳۴۴	وسطیٰ				
۱۰۸	" یرحم اللہ - سواتی	۲۵۸	ادنیٰ				

درجہ	تعداد
علیا	۳۵
وسطیٰ	۳۴
ادنیٰ	۲۱
ضمنی	۸
ناکام	۱۸
غیر حاضر	۲
میزان	۱۱۸

نوٹ :- مولوی عبدالقیوم بلوچستانی چھ سو نمبرات میں سے ۵۲۸ نمبرات لیکر پورے وفاق میں اول نمبر آئے۔